مسلم ہستی کا احیاء

حامد کمال الدین

'مسلمان ایک غیر متغیر حقیقت ہے'

اصل چیز اسکی ہستی کی ساخت ہے، تجدید کی اصل غایت بھی یہی ہے کہ اسکے اجزائے ترکیبی کو ہی بار بار اسکی اصل پوزیشن میں واپس لایا جاتا رہے۔ بیشتر لوگوں کو اسکے 'نشانات' پر ہی اسکی 'حقیقت' کا شبہہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکو قتال کرتا یا تبلیغ کرتا یا اسے اسلامی نظام قائم کئے ہوئے دیکھ کر وہ اسی بات کو 'مسلم شخصیت' کا اصل وصف سمجھ بیٹھتے ہیں جبکہ یہ اس شخصیت کا محض ایک مظہر ہوتا ہے۔ یہ اسکا جزو ترکیبی یا اسکی حقیقت نہیں جو اسے وجود میں لاتی ہے۔ 'مظاہر' کو 'حقیقت' سمجھ بیٹھنا ایک بڑی آفت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خود اسکی ہستی کا تعین ہو کہ یہ کیا ہے اور کیونکر رو پذیر ہوتی ہے۔

بقول سید قطب "مسلم امت یا مسلم شخصیت کا سب سے بڑا امتیاز اسکا کتاب اللہ کی نصوص سے برآمد ہونا ہے"۔ یہی اصل محاذ ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ اسپر محنت کون کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسکو ہم نے 'اصل غایت' قرار دیا ہے اور جس کیلئے فوجی یا سیاسی برتری، دعوت یا تبلیغ، اتحاد یا اجتماع محض وسائل اور ذرائع کا درجہ رکھیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

مسلم ہستی کا احیاء

مسلم ھستی کا احیاء

حامد کمال الدین

مطبوعات ایقاظ

طبع اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ، مئی ۲۰۰۸ء

عنوان: مسلم ہستی کا احیاء

مؤلف: حامد کمال الدین

mudeereeqaz@gmail.com

ناشر: مطبوعات ایقاظ

قیمت: Rs.150

برائے رابطہ ووی پی:

مطبوعاتِ ایقاظ

D 336 سبزہ زار، لاہور

Ph: 042-7530541 / 0323-4031634

www.eeqaz.com

یہ 'مسلم ہستی' آج کے انسانی واقع پر اثر انداز ہونے کیلئے جب بھی ان معاشروں میں قدم رکھے گی یا کارزارِ عالم میں پھر سے نمودار ہوگی تو تاریخ کا ایک طالب علم ضرور یہ جاننے میں دلچسپی رکھے گا:

آیا یہ وہی شخصیت ہے جس سے وہ اپنے مطالعۂ تاریخ کے دوران واقف ہوآیا ہے یا اس سے مختلف کوئی چیز......؟

دیکھنے والوں کو ضرور اس بات سے دلچسپی ہوگی کہ کیا یہ وہی ہمہ گیر اور متوازن اور مؤثر اور بھاری ہستی ہے اور کیا یہ اسی طرح حقائقِ وحی کی پیدا کردہ شخصیت ہے جس کا کوئی توڑ اس دنیا کے پاس نہیں تھا اور جو کہ پہلے پہل کتاب اللہ کی نصوص سے ہی برآمد ہوئی تھی یا یہ صرف حالات کی جگائی ہوئی یا محض دشمنوں کی ستائی ہوئی شخصیت ہے جو ایک ردعمل کے طور پر برسرِعمل دیکھی جارہی ہے؟

دین کے حقائق سے جنم پائی ہوئی ایک فاعل شخصیت......؟ یا پھر حالات کی پیدا کی ہوئی ایک منفعل شخصیت......؟

فہرست

پیش لفظ

دین کے احیاء وتجدید کا عمل کئی ایک محور رکھتا ہے، اور یہ وقت تو ایسا ہے کہ عمل کے یہ سبھی محور ہم سے ایک شدید محنت اور ایک انتھک جد وجہد کا تقاضا کرنے لگے ہیں......

ایک طویل رکود اور جمود کے بعد آج امت میں زندگی کی ایک زوردار لہر اٹھتی دیکھی جا رہی ہے تو یہ بھی دراصل احیاء وتجدید ہی کا ایک زبردست مظہر ہے جس کے پیچھے بے شمار داعیوں، مفکروں، عالموں، طالبعلموں، مدرسوں، مسجدوں، انجمنوں، جماعتوں اور شہیدوں کی دوسو سالہ محنت صاف بول رہی ہے...... اگرچہ خود انہی میں سے کئی ایک نیک طبقے، نادانستگی میں، دوسرے کے عمل اور منہج کو 'بے کار' کیوں نہ سمجھتے رہے ہوں اور کئی ایک تو، دوسرے کو 'زائد از ضرورت' جاننے کی اس روش پر اب بھی کیوں نہ قائم ہوں!

خاصی دیر کے بعد مشاہدۂ انسانی میں اس وضوح کے ساتھ یہ آنے لگا ہے کہ اس امت کے کسی ایک فرد کا عمل بھی، جو کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ اور اصلاحِ احوال کی غرض سے انجام دیا گیا ہو، آخرکار اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا...... اور یہ کہ آخرت میں تو ان شاء اللہ وہ فائدہ مند ہوگا ہی دنیا کے اندر بھی ثمر لاتا ہے۔ پہلی نسل میں نہ سہی تو دوسری نسل میں، اپنی زندگی میں نہ سہی تو آنے والے کسی دور میں، 'نتیجہ' لازماً نکلتا ہے اور 'کھیتی' پھل لا کر رہتی ہے!

'اسلامی بیداری' ___ صَحْوَة اِسْلَامِيَّة ___ آج کرۂ ارض کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور مشرق تا مغرب انسانی دنیا کا سب سے بڑا موضوع بنتے جا رہی ہے۔ مسلمان تو مسلمان کفار بھی اسی جہانی واقعے کو اس وقت سب سے زیادہ توجہ دینے لگے

ہیں۔ ہر کوئی اس کو اپنے انداز اور اپنے زاویے سے دیکھ رہا ہے اور اسی بنیاد پر اپنی اپنی قیاس آرائی کرنے میں لگا ہے۔ اس لہلہاتی فصل کو، جو کہ اب خوب سر اٹھانے لگی ہے، دیکھ کر کسی کا دل باغ باغ ہوتا ہے اور ''موسمِ امید'' کی ہزاروں دل کش تصویریں اس کے پردۂ تخیل پر بننے لگتی ہیں، تو کوئی قدم قدم پر اس سے ہول کھاتا اور ہزاروں خطروں اور اندیشوں کو اس کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا دیکھتا ہے:

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ!!! [۱]

اہلِ ایمان، اہلِ نفاق اور اہلِ کفر اپنی اپنی پہنچان کرانے کے لئے جہاں اور بہت سی نشانیوں سے مدد پاتے ہوں گے وہاں اپنی شناخت کے لئے، آج اس دور میں، اسلامی بیداری کے اس نوخیز واقعے کے اندر بھی ایک زبردست بنیاد پاتے ہیں۔ سبحان اللہ...... ! قدرت اس ذات کی جو کسی ایک ہی واقعے کو کسی وقت خیر کی بے شمار جہتوں کا ایک منہ بولتا حوالہ بنا دیتی ہے!

دینی احیاء کی اس امید افزا تصویر کو دیکھنے اور دکھانے کے دوران...... البتہ یہ درست نہیں کہ اس احیاء [۲] کے وہ محور جن پر پوری محنت سے کام ہونا ابھی باقی ہے ہماری نگاہوں سے اوجھل رہ جانے لگیں اور یوں...... 'جو ہو چکا' ہم اسی پر قناعت کرنے لگیں اور 'جو ہونے سے رہ گیا ہے' اس کی جانب سے صرفِ نظر ہی کر جائیں!

---

(۱) سورۃ الفتح: ۲۹ ''وہ (کھیتی) باغبانوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ جلیں بھنیں ان سے کفار''

(۲) ''تجدید'' سے متعلق احادیث پر ہم کسی اور وقت بات کریں گے، گو ایقاظ میں اس پر بعض مضمون دیے بھی گئے ہیں، البتہ یہاں ہم یہ واضح کر دینا چاہیں گے کہ علماء کی ایک بڑی تعداد اس فہم سے اتفاق نہیں کرتی کہ ہر پورے سو سال کے اندر بس ایک ہی شخص امت کے اندر فرضِ تجدید کو انجام دے گا۔ بنا بریں، یہ ضروری نہیں کہ ہم پوری صدی کے اندر بس ایک ہی 'مجدد' کو ڈھونڈنے اور اس کے 'تعین' کی بابت بحث و مباحثہ کرنے پر اپنا وقت اور محنت صرف کریں۔ حدیث کے لفظ مَنْ يُجَدِّدُ لَهُمْ دِيْنَهُمْ میں لغت کے اعتبار سے اس بات کی پوری گنجائش موجود ہے کہ اس سے مراد ایک پورا مجموعہ (طائفہ) بھی ہو، اور
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

یہ کہ کسی دور کی متعدد سر برآوردہ شخصیات اور اہلسنت کے مختلف طبقے اپنی اجتماعی جدوجہد سے، تجدیدی عمل کے اندر بیک وقت اپنا حصہ ڈالنے والے ہوں۔

اس حدیث کے حوالے سے (جو کہ سنن ابی داود **کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المائة**، مستدرک حاکم **کتاب الفتن والملاحم**، البانی نے **السلسلة الصحیحة ۵۹۹** پر اسے صحیح کہا ہے) شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی طائفۂ منصورہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسی توضیح سے ملتا جلتا وہ مفہوم ہے جس پر بعض ائمہ نے یہ حدیث محمول کی ہے: **ان اللہ یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا**، کہ لازم نہیں (اس سے مراد) ہر صدی کے سرے پر ایک ہی شخص ہو بلکہ اس کا معاملہ بھی وہی ہو جو کہ 'طائفہ' کے معاملہ میں ہے۔ یہ توجیہ بنتی بھی ہے کیونکہ وہ سب کی سب صفات جو پوری امت کی تجدید کر دینے کے لئے مطلوب ہیں خیر کی متعدد انواع میں سے کسی خاص ایک ہی نوع میں محصور نہیں۔ اور یہ لازم نہیں کہ خیر کے سب کے سب شعبے ایک ہی شخص میں مجتمع ہوں، سوائے یہ کہ اس بات کا دعویٰ عمر بن عبدالعزیزؒ کی بابت کر لیا جائے، ہاں وہ ضرور ایسے شخص ہیں جو پہلی صدی کے سرے پر اس امر کو قائم کر پائے جبکہ وہ خیر کی سب صفات سے متصف تھے اور ان میں ہر کسی پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہیں سے امام احمد کا یہ اطلاق آتا ہے کہ وہ (سلف) لوگ اس حدیث کو عمر بن عبدالعزیزؒ پر محمول کرتے تھے۔ رہے وہ جو عمرؒ کے بعد آئے تو وہ شافعی (ذکر کئے جاتے ہیں) جو اگرچہ (ان سب) نیک صفات سے متصف تھے مگر وہ جہاد اور عدل کی حکمرانی کے معاملہ کو قائم نہیں کر پائے۔ اس بنا پر ہر وہ شخص جو صدی کے سرے پر ان صفات میں سے کسی بھی صفت سے متصف ہو گا وہی اس (حدیث) سے مراد ہو گا، چاہے وہ متعدد لوگ ہوں یا نہ'' (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۶، **کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب تعلیم النبی ﷺ أمته من الرجال والنساء**) ابن حجر کے اسی قول کی تحسین صاحب عون المعبود اور صاحب مرعاۃ بھی کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص اور ہر گروہ کی تجدیدی محنت ہر قسم کی غلطی اور لاعلمی سے پاک ہو اور لازماً ایک 'مثالی عمل' کہلانے کے ہی لائق ہو......

پھر، ضروری نہیں ہر دور کا تجدیدی عمل اپنی صحت اور معیار کے معاملہ میں ایک سی سطح کا ہو۔ شرعی نصوص کے اندر اس بات میں کوئی مانع نہیں کہ کسی ایک دور یا کسی ایک خطے میں پایا جانے والا تجدیدی عمل کسی دوسرے دور یا کسی دوسرے خطے میں انجام دیے گئے تجدیدی عمل کی نسبت اعلیٰ اور بلند پایہ ہو اور یہ کہ کہیں پر تجدیدی عمل کا گراف، بوجوہ، بہت اوپر چلا گیا ہو تو کہیں بہت زیادہ اوپر نہ جا سکا ہو۔ حتی کہ ایک ہی دور کے اندر کسی ایک شخص یا گروہ کی کارکردگی ___ احیائے دین کے معاملہ میں ___ دوسرے کی نسبت کامل تر یا ناقص تر ہو۔ جبکہ مختلف صدیوں میں ہونے والے کام کا موازنہ کریں تو واقعہ بھی اسی بات کی شہادت دیتا ہے۔

بنا بریں، اپنے یہاں پچھلی دو صدی سے جو اصلاحی عمل جاری ہے اس کی ستائش کرنا اور اس میں جانیں کھپا دینے والی معروف شخصیتوں اور غیر معروف روحوں کو خراجِ تحسین پیش کرنا اور ان کے ثواب و اجر کے لئے دعا گو رہنا اس بات کو لازم نہیں کہ...... اس عمل میں اگر کوئی کمی پائی گئی ہو تو اس کی نشاندہی سے ہی پرہیز کر رکھا جائے۔ اور یہ کہ اس میں جو کوئی نقص رہ گیا ہو اور اس کے جو پہلو سنجیدگی کے ساتھ اصلاح کا تقاضا کر رہے ہوں، ان کی درستی عمل میں لانے سے ہی اجتناب برتا جائے......

ایک عمل کو قابل قدر جاننے کا یہ مطلب بہرحال نہیں کہ اس میں بہتری اور اصلاح لانے کی کوشش ہی غیر ضروری ہو اور 'تصحیح اغلاط' تو ایک جسارت مانی جائے!

بعینہٖ جس طرح اپنے موجودہ و گزشتہ داعیانِ دین کی محنت کو یا ان کے منہجِ عمل کو کسی پہلو سے قابلِ اصلاح جاننا اس بات کو لازم نہیں کہ اخلاص سے انجام دیے گئے ان کے اس نیک کام کو بے وقعت جانا جائے!

افراط اور تفریط کے مابین نقطۂ وسط ملنا خدا کی ایک خاص رحمت ہے اور ہم اپنے لئے اور اپنے سب داعیانِ دین کے لئے خدا سے اسی رحمت کے سوالی ہیں۔

اللهم ألهمنا رشدنا و أعذنا من شر أنفسنا

ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذين سبقونا بالايمان و لا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انک رؤف رحيم.

☆☆☆☆☆

دین کو پھر سے ان معاشروں کی سب سے بڑی اور سب سے بھاری حقیقت بنا دینے کا یہ جو عمل ہے، اور جس کو کہ 'تجدید' اور 'احیاء' سے تعبیر کیا جاتا ہے...... اس عمل کے محور متعدد ہیں اور سبھی اپنی اپنی جگہ حد درجہ اہم۔ انہی چیزوں کو ہم 'تبدیلی' کے موضوعات کا بھی نام دیتے ہیں۔ انہی موضوعات میں کا ایک اہم موضوع 'فرد' کی بابت اپنے داعیوں، مربیوں اور تحریکی حلقوں کے یہاں پائے جانے والے 'تصور' کو بہتر سے بہتر

اور مؤثر سے مؤثر تر بنانا ہے۔ زیرِ نظر کتابچہ اسی اہم موضوع سے بحث کرتا ہے، یعنی:

وہ مسلم ہستی جسے ہمارے ایک فرد میں بولنا ہے اور پھر ایسے ہی افراد سے مل کر یہاں ایک معاشرہ وجود میں لایا جاتا ہے، اس کے وہ اہم اہم اجزائے ترکیبی سامنے لائے جائیں جو کسی حد تک ارتکازِ توجہ سے محروم ہیں؟

اپنے دینی حلقوں کے یہاں پائی جانے والی 'افراد سازی' کی صنعت ___ جو کہ ہماری خواہش ہے آنے والے دنوں میں حد درجہ فروغ پائے، کہ پوری دنیا ہی اس کی مصنوعات پہ نظریں لگائے بیٹھی ہے بلکہ حق تو یہ ہے دنیا کے بہت سے عظیم کام اور کچھ نہایت برگزیدہ مطالب اسی کی مصنوعات کے انتظار میں موقوف پڑے ہیں اور آج کا یہ تیزی سے پھیلتا اور حد سے پیچیدہ ہوتا جانے والا جہان بے تاب ہے کہ مسلم دنیا کے یہاں سے وہی 'حقیقتِ منتظر' اسے نظارہ کرنے کو پھر ملے جس کے ظہور میں، ایک بڑی سطح پر، کچھ صدیوں کا تعطل آیا رہا ہے...... اور یہ کہ عالمِ انسان میں اسی جنسِ نایاب کی فراہمی بحال ہو تو 'گلشن کا کاروبار' چلے! ___ اپنے یہاں کی اس صنعت کے کام اور کارکردگی میں، ہماری یہ ناچیز سی محنت کسی بھی پہلو سے ذرہ بھر فائدہ مند ہو...... تو ہمارے حق میں یہ ایک ناقابل یقین سعادت ہوگی!!!

بنیادی طور پر، یہ کسی خاص 'جماعت' کا منشور نہیں...... اس کا انتساب 'سب جماعتوں کے نام' سمجھئے۔ یہاں پر جاری فکری وتربیتی عمل کو بہتر بنانا اس کتابچہ کا اصل مقصد ہے اور اس حوالے سے، یہاں کے تحریکی حلقوں سے یہ اگر ذرا بھی توجہ پاتا ہے تو ہم سمجھیں گے ہماری یہ تحریری جہد بارآور ہوئی۔ گو اللہ کے ہاں اجر پانے کیلئے جو شرط ہے وہ ایسی کسی بھی قید سے آزاد ہے اور اس کا تعلق محض اور محض آدمی کی اپنی ہی نیت اور صوابِ عمل سے ہے، جو کہ اللہ سے مانگنے کی اصل چیز ہے اور یہ خیر ظاہر ہے ہمیں صرف اسی سے مانگنا ہے..... گو یہ بات اس سے متعارض نہیں کہ خدا کے در سے صواب اور توفیق کی خیر پانے کے لئے اس کے نیک بندوں سے بھی آدمی دعا کا خواستگار رہے۔

ہم ملتمس ہیں اپنے ہر معزز قاری سے کہ **اخلاصِ نیت اور صوابِ عمل** کے لئے دعا کریں تو یہ نعمت خدا سے ہمارے لئے بھی ضرور مانگیں۔ کیا بعید کوئی ایک ہی شخص، کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہو اور وہ اللہ سے، دعا کرے اور ہمارے لئے نجات کے راستے کھل جائیں۔

☆☆☆☆☆

یہ کتاب چونکہ اس چیز سے بحث کرتی ہے کہ وہ **مطلوبہ شخصیت جو دین کو پھر سے اس معاشرے کی ایک زندہ حقیقت بنا دینے کے لئے یہاں مطلوب ہے اور جس کا کہ اپنے مطلوبہ تربیتی عمل میں ہمارے پیش رہنا ضروری ہے، کیونکر سامنے لائی جاسکتی ہے**...... تو اس لئے 'شخصیت' کے حوالے سے بعض ایسے اسکیچ بھی کہیں کہیں سامنے آجاتے ہیں جن کا بدلا یا بنایا جانا یہاں کی تحریکی دنیا کے اندر ہمارے خیال میں مطلوب ہے۔ اس کے بغیر ظاہر ہے کلام کی وہ غایت بیان نہیں ہوسکتی جو ایک مطلوب ومقصود ''شخصیت'' ہی کے حوالے سے بیان کی جانا بولنے والے کے پیش نظر ہو۔ موضوع کا یہ تقاضا نہ ہوتا تو ہم دینی 'شخصیت' کے بعض ایسے نمونوں کو زیر بحث ہی نہ لاتے جو ہماری رائے میں تبدیل replace ہونے کے ضرورت مند ہیں۔ پس اس حد تک 'صریح' ہوئے بغیر ہمارا خیال ہے کوئی چارہ نہ تھا۔ ہمیں احساس ہے کہ ایسے مقامات کسی کے لئے ناگواری کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔ مگر 'تبدیلی' کے یہ موضوعات جو ہم یہاں چھیڑنا چاہتے ہیں اور اس تبدیلی کی ایک تصویر جو اپنے باصلاحیت حوصلہ مند نوجوانوں کو بنا کر دینا چاہتے ہیں...... ''تبدیلی'' کے یہ موضوعات، اس حد تک واضح ہوئے بغیر، نبھائے بھی نہیں جاسکتے تھے۔ پھر بھی اگر یہ بات ہمارے کسی معزز قاری کو ناپسند ہو تو ہم اس پر معذرت خواہ ہیں۔

ہر مسلمان ہم پر یہ حق رکھتا ہے، اور اس معاملہ میں اللہ کے ہاں جواب دہی پر ہمارا ایمان ہے، کہ ہم دل سے اس کی تکریم کریں اور قول اور عمل سے اس کا احترام۔ تحریکی مباحث کے دوران بعض اشیاء کا زیر بحث آجانا، کہ جس سے نقد اور تصحیح کا کوئی پہلو جھلکتا ہو، الگ بات ہے ورنہ اکرامِ مسلم ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور اس فرض پر پورا اترنا اللہ کا شکر ہے ہمارے پیش نظر رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ادارہ ایقاظ کے پیش نظر تربیت اور تحریک سے متعلق کچھ بہت ہی بنیادی مضامین پر مشتمل، مفید مواد اپنے برسر عمل نوجوان طبقوں کی ضرورت کیلئے سامنے لانا ہے۔ اس حوالہ سے، محمد قطب کی کتاب کا اردو استفادہ بہ عنوان 'دعوت کا منہج کیا ہو؟' اشاعت کے مراحل طے کر چکا ہے۔ ہمارے خیال میں، یہ کتاب ہمارے تحریکی حلقوں کی راہ کی کئی ایک گتھیاں سلجھانے کے لئے نہایت عمدہ بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ 'موحد تحریک' اور 'سلسلہ شرح رسائلِ توحید' بھی ہم انہی بنیادوں کی مزید توضیح کیلئے قیدِ تحریر میں لے کر آئے ہیں۔ اس کے بعد ایک سلسلہ 'آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟' کے اصدار سے شروع کیا گیا۔ کتابچہ ھٰذا اس سلسلے کی ہی دوسری کڑی بنتا ہے، جبکہ اس کے کچھ مزید حصوں کا آنا ابھی باقی ہے۔ 'ایمان کا سبق' ایک اور سلسلہ ہے جس کا پہلا حصہ طباعت کے مراحل میں جانے کو ہے۔ سب کچھ اسی ضرورت کی مختلف جہتوں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے جو یہاں کے تحریکی مطالب کی تکمیل اور تحقیق کی راہ میں ہمارے نزدیک ناگزیر ہے اور ایک 'بنیادی جمعیت' کو وجود میں لے آنے کیلئے حددرجہ مطلوب۔

ان تصانیف سے نکالی گئی اہم اہم موضوعات کی حامل منتخب تحریریں مختصر پمفلٹوں کی شکل میں بھی سامنے لائی جا رہی ہیں، جو کہ اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی ایک کوشش ہے۔

اس پیغام کو عام کرنا بھی ویسے تو ضروری ہے اور ہم امید کریں گے کہ وہ حضرات جو ایسے لٹریچر کی کمی محسوس کریں وہ اس کو پھیلانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں، خاص طور پر اس لئے کہ ایقاظ گنتی کے کچھ 'بے وسائل' افراد پر مشتمل ناقابل ذکر سا ایک ادارہ ہے نہ کہ کوئی 'جماعت' جو ان موضوعات کو لوگوں سے باقاعدہ توجہ لے کر دے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایقاظ اپنے اس پیغام کو صرف 'تحریروں' تک محدود رکھنے کا خواہشمند نہیں۔ بعض تعلیمی، تربیتی اور سماجی نوعیت کے پروگرام جو 'اسلامی تبدیلی' کی بعض عملی جہتیں عمل کے میدان میں ہی نمایاں کر سکتے ہیں...... ایسے بعض عملی منصوبے بھی یقیناً ہمارے زیر غور ہیں، جو کہ ظاہر ہے ہم فکر متعاونین کے بغیر انجام نہیں پا سکتے بلکہ شروع ہی نہیں کئے جا سکتے۔

بنابریں، ایقاظ صرف 'نشر و تالیف' کا ایک ادارہ نہیں بلکہ یہاں کے تحریکی حلقوں کی فکری و عملی ضروریات ایک معیاری انداز میں پوری کرانے کے جو کئی ایک منصوبے روبہ عمل آسکتے ہیں یا آنے چاہئیں، ایقاظ ان پر مقدور بھر کام کرنے یا شریک ہونے کا بھی نہ صرف خواہشمند ہے بلکہ اس کے لئے حسب استطاعت کوشاں بھی ہے۔ اس پر بلاشبہہ ہمیں بہت سا تعاون درکار بھی ہے اور خود ہمارا تعاون پیش خدمت بھی۔

ہمارے خیال میں بہت لوگ تو یقیناً پہلے سے یہاں پائے جاتے ہوں گے جو کم وبیش انہی خطوط پر، جو مطبوعات ایقاظ میں 'عمل' اور 'تحریک' کی بابت ہم واضح کررہے ہیں، کئی ایک کاموں اور پروگراموں کو معاشرے کے اندر عملی طور پر آگے بڑھانے میں دلچسپی رکھنے والے ہوں۔ جبکہ کچھ لوگ ہماری ان تحریروں کو پڑھ کر بھی شاید ایسے منصوبوں کی ضرورت محسوس کرنے لگیں...... یہ سب خواتین وحضرات اپنے کسی تعلیمی، دعوتی، تربیتی یا سماجی منصوبے میں اگر ہم سے کوئی تعاون چاہیں اور ان کا خیال ہو کہ ان کے ایسے کسی پروگرام کو آگے بڑھانے میں ہم کسی بھی حیثیت میں یا کسی بھی پہلو سے ممد ہوسکتے ہیں، تو وہ یقیناً ہمیں ہمارے ناچیز امکانات سمیت حاضر خدمت پائیں گے۔

البتہ خود ہم اس وقت جس مرحلے کو زیادہ سے زیادہ رفتار کے ساتھ طے کرلینے کی کوشش میں ہیں وہ یہ کہ یہاں مطلوب ''تحریکی عمل'' کا ایک علمی خاکہ سامنے لانے کیلئے مطلوب لٹریچر کم ازکم حد تک مہیا کرلیا جائے۔ آپ کے خیال میں یہ اگر اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے تو پھر اس کی تیاری یا کم ازکم اس کو پھیلانے میں آپ کا حصہ لینا انشاءاللہ ضرور ایک کارخیر ہوگا۔

اور یہ تو واضح ہے کہ تعارف ورابطہ کا بڑھایا جانا تعاونِ باہمی کی راہ میں اولین پیش رفت کا درجہ رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ہماری جملہ تحریروں کے متعلق واضح رہے...... کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ہمارے یہاں انہی جوانب کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہوتی ہے جن کو اپنے تحریکی حلقوں میں، ہمارا خیال ہوتا ہے، زیادہ توجہ دلوانے کی ضرورت ہے۔

بنابریں...... ایک تو، وہ سب کچھ جو کسی ایک موضوع پر پورے شرح وبسط کے ساتھ پایا جانا چاہیے، ہوسکتا ہے وہ آپ کو ہمارے ہاں ویسی بندشِ مضمون کے ساتھ نہ ملے۔ اس کے برعکس، ایک تصویر کے وہ حصے ہی آپ کو ہمارے ہاں کچھ زیادہ نمایاں ملیں جو عام طور پر یہاں مبہم پائے گئے اور جن کو قاری سے زیادہ توجہ لے کر دینا ہماری نظر میں ضروری تر ہوا...... یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہم ایک تصویر کو مکمل کرنے اور اس کے کچھ اوجھل حصوں کو نمایاں تر کرنے جا رہے ہیں نہ کہ ایک 'جامع مانع' انداز میں بالکل ابتدا سے ایک تصویر بنانے۔

دوسرا...... کئی ایک ایسے امور کی جانب ہم محض اشارہ ہی کریں اور یا پھر ان کو سرے سے مختصر کر جائیں جو، ہمارے خیال میں، تحریکی موضوعات کے ایک قاری کے مطالعہ میں پہلے ہی سے آتے رہے ہوں گے، یا جن کا پس منظر یہاں کی تحریکی دنیا میں بکثرت ہوتی رہنے والی بحثوں کے حوالے سے قاری کے ذہن میں پہلے سے واضح ہوگا...... یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہمارے قاری عموماً وہ ہوتے ہیں جو تحریکی مباحث کے پڑھنے پڑھانے میں ایک وقت گزار آئے ہیں لہٰذا ہم اگر ان کا وقت اور توجہ لیں تو کسی موضوع کے صرف ان جوانب کیلئے لیں جو یہاں پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے میں کم آتے رہے۔

ہاں ان پہلوؤں پر، جو ہماری نگاہ میں یہاں کے تحریکی مباحث کے اندر کم توجہ پا کر رہے، ہوسکتا ہے آپ ہمارے بیان میں ایک حد تک تکرار بھی پائیں۔ وجہ یہ کہ ہم یہاں کی تحریکی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں۔ علمی اور فنی معنوں میں باقاعدہ تصنیف وتالیف البتہ ہمارے پیشِ نظر ہوتی ہے اور نہ فی الواقع ہم اس کے اہل۔

حامد کمال الدین

'نمونے کا فرد'

اجتماع یعنی اکٹھ میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص لطف رکھا ہے جس کا مشاہدہ عموماً ہر شخص کرتا ہے۔ یہ ہے بھی حد درجہ مطلوب۔ پھر مسلمانوں کا اکٹھ تو اس سے بھی بڑھ کر ایک حسن اور ایک لطف رکھتا ہے۔ اجتماع کی ایک خاص برکت ہے جس کو انسان محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔

ایک ہی کام یا ایک ہی مشن ہو اور بس چند اشخاص ہی اس کو انجام دینے میں مگن ہوں تو اس میں وہ جوش اور دلچسپی اور وہ کیفیت نہیں آتی جو اس مشن پر ہزاروں اور لاکھوں کو دیکھ کر خود بخود آجاتی ہے۔ اور بہت سے لوگوں میں تو اس مشن کی جانب داعیۂ عمل پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس پر اپنے سے پہلے ہزاروں لاکھوں کو اکٹھا ہوا دیکھ لیں۔ بلکہ بعض نفوس تو ایسے ہوتے ہیں کہ یہ نوبت آجانے کے بعد، یعنی لاکھوں کروڑوں کو کسی راہ پر دیکھ لینے کے بعد، ان کے لئے پیچھے ہٹ رہنا خود بخود مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس کا ساتھ دینے پر گویا مجبور سا پاتے ہیں!

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے اور ایک معاشرتی واقعہ، جس کو نظر انداز کروانا ہرگز ہمارا مقصود نہیں۔ بلکہ اس کی جو ایک اپنی اہمیت ہے اس کو محسوس کرنا داعیوں کی ایک بڑی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو ایک سا پیدا نہیں کیا۔ کچھ لوگ ایک بات کی دلیل اور توجیہ (rationale) سے متاثر ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو ایک

بات کی دلیل اور توجیہ سے کوئی بہت سروکار نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تو وہ محض ایک 'رسمی کارروائی' ہوتی ہے جو کہ انکا بہت وقت اور توجہ نہیں لیتی۔ اصل جاذب نظر چیز انکے لئے اس راستے میں پایا جانے والا جذبہ اور جوش وخروش اور رونق اور کثرت ہوتی ہے! جو لوگ اسی سے متاثر ہو سکتے ہوں انکے لئے اس چیز کی فراہمی، اگر اور جب ممکن ہو، کر دینا حرج کی بات نہیں۔ بلکہ یہ بھی، اپنی ترتیب سے اور اپنے وقت پر، مطلوب ہوگا۔ گو خدا کی سنت یہ ہے کہ خالص حق کی دعوت کے معاملے میں یہ بات دنوں کے اندر رونما نہ ہوتا کہ ہر آدمی اپنے فہم کے عمق اور رسوخ کا تعین کرنے اور اپنی قوتِ ارادی اور جراتِ اقدام کا وزن کرنے میں مدد پائے اور تا کہ دعوت کی حقیقت سے تمسک کی بابت لوگوں کی بڑی حد تک ایک طبعی درجہ بندی ہو۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجة من الذین اَنفقوا من بعد و قاتلوا و کلا وعداللّٰہ الحسنی و اللّٰہ بما تعملون خبیر (۱)

ایک مدرسہ جس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں میں ہو وہ خود بخود آپ کی توجہ لے گا۔ اسکول لگنے اور چھٹی ہونے کے وقت اس کی ایک خاص 'شان' ہوگی اور بہت سوں کا اپنے بچوں کو وہاں داخلہ دلانے کو محض اس وجہ سے جی چاہے گا۔ اس میں کوئی بات بھی غیر طبعی نہیں؟ بہت تھوڑے ہوں گے جو یہ دیکھیں گے کہ وہاں پڑھایا کیا جاتا ہے اور تعلیم، جو کہ 'اسکول' کی اصل غایت ہوا کرتی ہے، کس معیار کی ہے اور یہ کہ تعلیم اور تربیت کے معیار کو جانچنے کا طریقہ کیا ہے۔

---

(۱) الحدید ۱۰ ''تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

جانچنے کیلئے ایک بڑے اکٹھ سے مختلف اہلیتوں کے نمونے (Samples) لئے جائیں گے اوران کی ذہنی، فکری، شعوری، روحانی، معاشرتی اور عملی استعداد کا جائزہ لیا جائے گا اوراس کے نتیجے میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کوئی ادارہ یا تنظیم یا گروہ ایک انسان میں کیا 'تبدیلی' لاتا ہے۔ یوں جس چیز پر، چلنے والوں کی کثرتِ تعداد، یا جوش وجذبہ، یا اجتماعی کیفیت نے جوایک پردہ سا ڈال دیا تھا......اس چھپی چیز کوکسی حدتک آسانی سے سامنے لایا جاسکتا ہےاوراسی کی روشنی میں اس اکٹھ یااس اجتماع کا اصل وزن کیا جاسکتا ہے۔

'کثرت' اور'جوش وخروش' اور'اجتماعی کیفیت' اور'منظّم عمل' کی اپنی ایک اہمیت اورشان ضرور ہے جس کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا مگر کسی اکٹھ کی اصل قابلیت اورافادیت کا تعین اسی طرح کیا جا سکتا ہے کہ اس کی کثرت اور جوش وخروش وغیرہ ایسے عوامل کو کچھ دیر کیلئے نظر انداز کر دیا جائے اوراس اکٹھ کے ایک اوسط فرد کا ___ بطور فرد ___ علمی، فکری، شعوری اور معاشرتی وزن کر لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس کا ایک اوسط فرد دین کی حقیقت کوکہاں تک سمجھ پایا ہےاوردین کی حقیقت کا، نہ کہ دین کے مظاہر کا، اپنی شخصیت اور کردار کے ذریعے کہاں تک ایک عملی اورواقعاتی 'ترجمہ' کر پایا ہے۔

بنیادی طور پر'شخصیت' سے ہماری یہی مراد ہے۔ یہاں اس سیاق میں'مطلوبہ شخصیت' سے ہماری مراد ایک فرد کی وہ اہلیت ہے جو وہ حق کو اپنے قلب وذہن میں اتار کر عملاً اس کی عکاسی کرنے کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ بنیادی طور پر کسی بھی انسان کی شخصیت اس کا وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں اس کا عقل وفہم، اس کی سمجھ بوجھ، اس کے نظریات اوردین ودنیا کی بابت اس کے اخذ کردہ مفہومات ایک بڑے ہی فطری انداز میں جھلکتے ہیں۔اس کے یہ نظریات اور مفہومات اور تصورات اور خیالات حق ہیں یا باطل اوران کا جو بھی مصدر ہے مگرایک فرد اپنی شخصیت کے آئینے میں ان کی عکاسی کر کے رہتا ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان کیلئے مطلوب 'شخصیت' یہ ہوگی کہ حق کے مفہومات اس کے باطن میں بہت گہرے اتریں اور پھراس کے'آئینے' سے بہت نمایاں ہوکر نمودار ہوں۔

'مسلم ہستی' یا 'اسلامی شخصیت' جس چیز کا نام ہے وہ یہی وحی کے حقائق کا دنیا میں انسانی انعکاس بننا ہے۔ دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی حقیقت کا ہی بیان ہوتا ہے، قطعِ نظر اس سے کہ وہ حقیقت کتنی زبردست ہے یا کتنی لایعنی۔ وہ حقیقت جو کسی انسان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتی ہے اگر اسلام ہے (اسلام اپنی کلیت کے ساتھ) تو ایسے انسان کو ''اسلامی شخصیت'' کہا جائے گا۔ یہ تو رہی فرد کی بات۔ کسی مجموعے پر جو حکم لگے گا وہ اس کے 'اوسط فرد' کو دیکھ کر ہی لگایا جائے گا۔

چنانچہ جانچ کا طریقہ یہ ہوگا کہ آپ ہزار سے ایک پر آ جائیں۔ یعنی ہزار آدمیوں کا وزن ان کا ہزار آدمی ہونا نہ ہو بلکہ یہ بات ہو کہ ان میں کے ایک ایک فرد کا دین کے حقائق کو جاننے اور ان کا عملاً عکاس ہونے میں کیا وزن ہے۔ ہزار آدمی کا اصل وزن وہی ہے جو ان میں کے ایک اوسط فرد کا وزن نکلے۔ 'ہزار' ہونے کے ان کو اضافی نمبر ضرور دیئے جائیں گے کیونکہ یہ واقعتاً ایک زبردست بات ہے مگر اصل اہمیت اسی بات کو حاصل ہو گی کہ ان میں کا ایک ایک فرد کتنے پانی میں ہے۔ یہاں اگر وہ گروہ کوئی بہت زیادہ نمبر نہیں لیتا تو محض ہزار ہونا یا لاکھ ہونا بہرحال کوئی غیر معمولی قابلیت نہ ہوگی۔ 'تبدیلی' کے عمل میں اس بات کی وہ اہمیت نہیں جو کہ اس بات کی ہے کہ اس کے ہاں نمونے (sample) کا ایک فرد معاشرے کی عام روش سے کس قدر مختلف ہے اور اپنی ذات میں اس 'تبدیلی' کا کس قدر عکاس ہے جو معاشرے کے اندر اسلام کی بنیاد پر لائی جانا ہے۔

لہٰذا آج ہمیں جو چیلنج درپیش ہے خواہ وہ 'تبدیلی' ہے یا 'تربیت' یا 'اس دور میں اسلام کے مطلوب انسان کو پیدا کرنا'......غرض کوئی بھی نام دے لیا جائے اصل محنت اور اصل کام اور اصل مقابلہ 'نمونے کے فرد' کو پیدا کرنے کے معاملے پر ہوگا۔ اصل کوششیں اسی بات پر صرف ہوں گی اور 'عمل' کا ایک بہت بڑا محاذ یہ ہوگا۔

واضح رہے 'نمونے کے فرد' سے مراد 'دکھانے' کا کوئی فرد نہیں بلکہ کسی اکٹھ کے اوسط فرد کی اہلیت ہے۔ اصل جانچ اسی بنیاد پر ہوگی اور کسی حلقے یا کسی گروہ کا اصل کمال

یہیں پر دیکھنے میں آئے گا۔لہٰذا اصل توجہ بھی اسی بات کو دی جانا چاہئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں یہ بات بہت کم لوگوں کی توجہ لے پائے گی۔مگر اس کے باوجود جن لوگوں کو اللہ نے ایک بصیرت بخشی ہے ان کی محنتوں کا یہی اصل مرکز ہونا چاہئے۔کیونکہ جو بھی تبدیلی لائی جانا ہے (تبدیلی سے مراد 'انقلاب' نہیں [1]) اس کا تمام تر انحصار اسی بات پر ہوگا کہ ہمارے ہاں ایک 'فرد' کا کیا تصور ہے۔'فرد' ہی معاشرے کی اکائی ہے لہٰذا ہر وہ گروہ جو 'تبدیلی' کی صدا بلند کرتا ہے اس کی بابت یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ وہ 'کتنے' افراد پر مشتمل ہے بلکہ دیکھا یہی جائے گا کہ اس کے پاس 'کس پائے کا' فرد پایا جاتا ہے۔

یہ 'فرد' کا تصور ہی دراصل وہ چیز ہے جسے اس مضمون میں ہم 'شخصیت' یا 'اسلامی شخصیت' یا 'مسلم ہستی' کے نام سے ذکر کریں گے۔یہی ہمارا اس بار کا موضوع ہے۔اصل سوال جو تبدیلی کے اس عمل میں آگے بڑھنے کے وقت ہمیں درپیش ہوگا وہ یہ نہیں کہ اس تبدیلی کے لانے کو 'کتنے' افراد چاہئیں۔ بلکہ سوال یہ ہوگا کہ اس تبدیلی کے لانے کو 'کس قسم کے' افراد مطلوب ہیں؟

(۱) 'انقلاب' کی اصطلاح عموماً جس چیز کیلئے رائج ہے وہ ہے ایک نظام حکومت کو باقاعدہ اور یکسر ختم کرکے اس کی جگہ ایک دوسرے نظام کو قائم کردینا۔'انقلاب' سے متعلقہ بحثوں کو فی الحال ملتوی رکھتے ہوئے، جو کہ ہمارے دینی حلقوں کا ایک معروف موضوع ہیں...... اپنی تحریروں میں کئی ایک مقام پر 'تبدیلی' کا جو لفظ ہم بولتے ہیں یہاں ہم اس سے اپنی مراد واضح کردینا چاہیں گے......

اسلام کا عمل فرد پر بھی ہوتا ہے، جماعتوں پر بھی، معاشروں پر بھی اور نظام ہائے مملکت پر بھی۔یوں اسلام کے مطلوبہ عمل سے، درجہ بدرجہ، ایک فرد بھی گزرتا ہے، ایک معاشرہ بھی اور ایک نظام بھی اور بلکہ شاید پوری دنیا بھی۔اسلام کے اس مطلوبہ عمل سے گزرنے یا گزارے جانے کا نام ہی ہمارے نزدیک 'تبدیلی' ہے۔یوں یہ 'تبدیلی' ایک بے حد وسیع مفہوم رکھتی ہے اور جونہی کہیں پر اسلامی عمل شروع ہو، خواہ وہ ایک فرد کی حد تک کیوں نہ ہو، 'تبدیلی' کا عمل ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے۔اس لحاظ سے ظاہر ہے یہ 'انقلاب' کے مترادف یا ہم معنی نہیں، باوجود اس کے کہ ایک عموم خصوص کا تعلق کسی وقت ان میں پایا جاسکتا ہے۔

اسلام کے کام کا بیڑا اٹھانے والوں میں اس مطلوبہ شخصیت کو ڈھالنے کا عمل اگر مناسب سطح پر شروع ہو جاتا ہے تو ہماری اس گفتگو کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ رہا یہ کہ اس شخصیت کے حامل افراد دنیا میں یا ملک کے اندر پھر کریں گے کیا؟ تو یقیناً ان کو بہت کچھ کرنا ہوگا مگر یہ ایک الگ سوال ہے جو یہاں ہمارا موضوع نہیں۔

اللہ تعالٰی نے انسانوں کو طرح طرح کی صلاحیتیں دے کر پیدا کیا ہوتا ہے۔ ہر شخص کی افادیت اور نتیجہ خیزی (productivity) مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی فرد کو یا افراد کے کسی مجموعہ کو وجود میں آ جانے کے بعد کیا کرنا ہے، اس کا انحصار تو اس فرد یا مجموعۂ افراد کے وجود میں آنے پر اور اس کی عملی صلاحیتوں کی نوعیت اور معیار کے دیکھا جانے پر ہے اور یا پھر وقت کی ضرورت اور ماحول کی صورتحال پر۔ سر دست ہمارا موضوع یہ ہے کہ خود اس فرد کا یا اس شخصیت کا بنیادی وصف کیا ہے جس کو ایک بڑی سطح پر وجود میں لایا جانا ہے۔ رہا یہ کہ وجود میں آنے یا دوسرے لفظوں میں تربیت پانے کے بعد کس کو کیا کام سنبھالنا ہے تو یہ اس مضمون سے متعلق نہیں...... باوجود اس کے کہ یہ اپنی جگہ بہت اہم ہے۔

☆☆☆☆☆

تعمیرِ فرد، بہ ترتیبِ سنت

خیالاتی دُنیا میں بسنا اسلام نہیں۔ واقعیت پسند ہونا اسلام میں حد درجہ مطلوب ہے۔ کمیاں کوتاہیاں انسانوں میں ہمیشہ پائی گئی ہیں اور پائی جائیں گی۔ 'تربیت' کا مطلب فرشتے پیدا کرنا نہیں۔ 'تربیت' انسان کی سرشت بدل دینے کا نام نہیں۔ انسانوں کو ہمیشہ ان کی کمیوں کوتاہیوں کے ساتھ ہی قبول کیا جائے گا اور کمیاں کوتاہیاں ہمیشہ ان میں رہیں گی۔ مگر اس حوالے سے بھی سوال یہی ہوگا کہ وہ کونسے پہلو ہیں جن میں کمیوں کوتاہیوں کی گنجائش نہ ہونے کے برابر رکھی جائے گی اور وہ کونسے پہلو ہیں جن میں 'نسبتاً' چھوٹ دی جاسکتی ہے؟

دین کے حقائق، جن کو اصطلاحی زبان میں 'عقیدہ' کہا جاتا ہے اسلام کا سب سے اہم پہلو ہے اور یہ وہ میدان ہے جس میں کمیوں کوتاہیوں کی گنجائش دین کے باقی ہر میدان سے کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں پائی جانے والی غلطی یا انحراف یا قصور یا نقص سب سے مہلک جانا جائے گا اور اس کو درست کر لینے پر سب سے زیادہ زور دیا جائے گا۔

دین کے حقائق کے بعد پھر دین کے عملی فرائض کا درجہ آتا ہے جن میں واجبات کی ادائیگی اور ممنوعات ومحرمات سے اجتناب آتا ہے۔ سب واجبات اپنی اہمیت واولویت کے لحاظ سے اور سب محرمات اپنی شناعت اور سنگینی میں یکساں نہیں ان میں سے بعض باتیں بعض باتوں سے اہم تر اور سنگین تر ہوں گی۔ جیسا کہ عقیدہ یعنی حقائقِ دین میں بھی سب کی

سب باتیں اہمیت یا حرمت کے لحاظ سے یکساں نہیں۔ عقیدہ میں بھی کوئی ایک بات کسی دوسری بات کی نسبت اہم تر یا سنگین تر ہوگی۔ البتہ مجموعی طور پر دین کے حقائق دین کے عملی فرائض پر مقدم ہیں اور اہمیت کے لحاظ سے اولی اور اول۔

فرائض کے بعد پھر مستحبات کا درجہ آتا ہے۔ مستحبات انسان کے دین اور ایمان کی تکمیل کرتے ہیں۔ مستحبات کی بابت جیسے کسی نے کہا کہ: 'فرائض' اگر ایک ایسا ہدیہ ہے جسے خدا کے حضور پیش کیا جاتا ہے تو 'مستحبات' وہ خوبصورت غلاف ہے جس کے اندر اس ہدیۂ عقیدت کو لپیٹا جاتا ہے۔ چیز کو اعلیٰ اور بہت ہی باادب انداز میں پیش کرنے کیلئے لازم ہے کہ بس وہ یونہی نہ تھمادی جائے، گو یہاں قبول کرنے والا بندگی کے عمل کو ایک ذرے کے برابر بھی ہو تو شرف قبولیت بخشتا ہے اور اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا اور اس کا پورا پورا صلہ دیتا ہے اور اس پر اپنے فضل سے ___ اور ہم کیا جانیں کہ اس کا فضل اور بخشش کیا چیز ہے ___ یعنی خاص اپنے پاس سے اور بھی عطا کرتا ہے...... تاہم پیش کرنے والے کے لائق یہی ہے کہ وہ بندگی کے ھدیے کو بندگی ہی کے غلاف میں چھپا کر اور مزین کر کے معبود کو پیش کرے اور پوری عاجزی سے قبول کرنے کی درخواست کرے۔ اس انداز کی بندگی جس بات کی متقاضی ہے وہ 'مستحبات' کا التزام ہے!

'مستحبات' کا اصل حسن یہ ہے کہ انسانی شخصیت میں یہ اپنی ترتیب سے آئے۔ یعنی انسان کا دین کے حقائق میں گہرا اتر جانا، پھر ان حقائق کے استیعاب سے 'فرائض' کا ایک نقشہ اس کے سامنے آنا اور اس کا ان کی ادائیگی میں لگ جانا، اور پھر اس کا اپنی باقی ماندہ توانائیوں کو مستحبات میں صرف کر دینا...... یہ ایمان کو برآمد کرنے کا ایک بہترین، متوازن ترین اور حسین ترین منہج ہے اور اگر آپ ایک لفظ میں بات کہنا چاہیں تو یہ 'سنت' منہج ہے۔ ایسا آدمی جو دین کی اس ترتیب سے تشکیل پائے قابل رشک ہو جاتا ہے:

انک تقدم علیٰ قوم أهل کتاب، فلیکن أول ما تدعوهم الیه عبادة الله، فاذا عرفوا الله فاخبرهم أن الله قد فرض علیهم خمس

صلوات فی یومھم ولیلتھم، فاذا فعلوا فاخبرھم أن اللہ فرض علیھم زکوۃً من أموالھم فترد علي فقرائھم، فاذا أطاعوا بھا فخذ منھم وتَوَقَّ کرائم أموال الناس

(صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ باب لا تؤخذ کرائم أموال الناس)[1]

"(اے معاذ!) تم ایک اہل کتاب قوم کے ہاں جا رہے ہو، پس وہ پہلی بات جس کی تم انہیں دعوت دو یہ ہونی چاہیے کہ وہ یکتا وتنہا اللہ کی عبادت کرنے لگیں، پھر جب وہ اللہ کو پہنچان جائیں، تو تب ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ٹھہرادی ہیں، پھر جب وہ اس پر عمل کرنے لگیں، تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں سے زکوۃ فرض ٹھہرادی ہے، جو کہ انہی میں کے غریب لوگوں کو لوٹا دی جائے گی، پھر جب وہ اس میں اطاعت گزار ہو جائیں تو ان سے یہ قبول کر لینا، اوران کی نہایت قیمتی اشیاء لینے سے گریز کرنا" (صحیح بخاری)

وما تقرب الي عبدي بشيء أحب الي مما افترضته عليه. وما يزال عبدي يتقرب الي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده

---

(۱) صحیح مسلم میں الفاظ یوں آتے ہیں:

انک تأتی قوما من أهل الکتاب. فادعهم الیٰ شهادة أن لا اله الا الله وأنی رسول الله، فان هم أطاعوا لذلک فأعلمهم أن الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة، فان هم أطاعوا لذلک فأعلمهم أن الله افترض علیهم صدقة

"تم ایک اہل کتاب قوم کے یہاں جا رہے ہو۔ پس ان کو دعوت دینا کہ وہ شہادت دیں کہ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر اگر وہ اس میں اطاعت گزار ہو جائیں تو تب ان کو آگاہ کرنا کہ اللہ نے ان پر ہر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ٹھہرائی ہیں، پھر جب وہ اس میں اطاعت گزار ہو جائیں تو ان کو آگاہ کرنا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض ٹھہرائی ہے......"

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام)

التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها، وإن سألني لأعطینه، ولئن استعاذني لأعیذنه...... (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ)

''میں نے اپنے بندے پر جو فرض کر دیا میرا تقرب پانے کیلئے اس سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہ ہوگا۔ اور پھر میرا بندہ نوافل (میرے فرض کردہ امور سے بڑھ کر میری خوشی کے اعمال) کر کر کے جب میری قربت چاہتا ہے پھر تو میں اس کو پسند ہی کر لیتا ہوں، پھر جب میں اس کو پسند کر لیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں۔ وہ میری پناہ چاہے تو میں اس کو ضرور پناہ دوں''۔

کتنے ہی مربی دیکھے گئے جو آدمی کو دین کی طرف آتے ہی 'وظائف' تھما دیتے ہیں۔ بے شک آپ بدعت پر مبنی وظائف کی بات الگ رکھ دیں ایسے وظائف بھی جو سنت سے ثابت ہیں یا جن کی سنت سے گنجائش ملتی ہے...... ان پر محنت بھی وہ پہلا عمل نہیں جو دین کی طرف آنے والے ایک فرد کو دیا جانا ہے۔

وظائف اور فضائل اور اعمالِ ذکر، مختلف قسم کے ورد، نفلی عبادات اور مستحبات...... بلا شبہ یہ انسان کی شخصیت میں ایک 'تبدیلی' لاتے ہیں۔ اس میں 'نیکی' بھی پیدا کرتے ہیں اور اس کو ایک سلسلے سے منسلک بھی کر دیتے ہیں۔ مگر کارِ نبوت طبیعتوں میں محض ایک 'نیکی' پیدا کر دینا نہ تھا۔ یہ اس سے کچھ بڑھ کر تھا۔ البتہ یہ کیا تھا، اس کی سمجھ تبھی آئے گی جب دین کا ہر کام اپنی ترتیب سے اور اپنے وقت پر ہو۔ یعنی اس سے پہلے جو کام کئے جانا ہیں پہلے وہ کر لئے جائیں۔ کیونکہ وہ اہم تر ہیں اور اللہ کو اس سے کہیں بڑھ کر مطلوب ہیں۔ یہاں تک کہ اگر آدمی کی بیشتر توانائی انہی اہم تر کاموں میں صرف ہو جاتی ہے اور مستحبات پہ آنے تک اس کی ہمت اور توانائیوں میں بہت کم گنجائش بچتی ہے یا اس کو ڈر ہے کہ تطوع (نفلی عبادات) پر محنت کی نوبت آنے تک اس میں بہت کم سکت باقی رہے

گی تو بھی ضروری ہے کہ پہلے وہی کام کئے جائیں، بلکہ تب تو اور بھی ضروری ہے کہ پہلے وہی کام کئے جائیں، جو اللہ کو مستحبات سے بڑھ کر اور مستحبات سے پہلے مطلوب ہیں۔

'کمیاں کوتاہیاں ہر کسی میں ہوتی ہیں'...... عمومی حیثیت میں درست ہونے کے باوجود یہ بات ایک منہج کی غلطی کیلئے کوئی مطلق دلیل نہیں۔ 'کمیاں کوتاہیاں' دور کرنے کی بھی ضرور کوشش ہونی چاہئے لیکن اس سے بڑھ کر توجہ دینے کی بات یہ ہے کہ 'کمیاں کوتاہیاں' اگر کسی وجہ سے رہنی ہی ہیں تو وہ کہاں رہیں اور وہ کونسی جگہیں ہیں جہاں 'کمیوں کوتاہیوں' کی گنجائش سب سے پہلے ختم کرنی چاہئے؟

'کمیاں انسانوں ہی میں پائی جاتی ہیں'...... یہ بات بالکل برحق ہے مگر اس بنا پر کوئی سب سے زیادہ اگر آپ سے وہاں چھوٹ پاتا ہے جہاں اللہ اور رسولؐ سب سے کم چھوٹ دیں بلکہ شاید بالکل ہی چھوٹ نہ دیں تو ایسی 'کمیاں' رہ جانے کی ذمہ داری 'انسانی کمزوریوں' کو نہیں بلکہ 'منہج کے انحراف' کو اٹھوانی چاہیے۔ ان نقائص کو 'بشری کمزوریوں' کے زمرے میں شمار کرنا البتہ ایک اضافی انحراف ہوسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا انحراف ہوگا جو بہت سے انحرافات کی دلیل اور وجہِ جواز بن جایا کرے۔ یعنی درستی کا امکان ہی ختم ہو جائے۔

قرآن کی آیت البر پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ 'نیکی' کا تصور درست کرتے رہنا بے انتہا ضروری ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو محض 'مظاہر' پر جاتی ہے۔ ایک کثیر خلقت ایسی ہے جو 'مستحبات' اور نفلی عبادات اور 'خاص اعمال' سے 'فرائض' کی نسبت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ پھر 'فرائض' اور 'اعمال' سے جتنا متاثر ہوتی ہے اتنا 'حقائقِ دین' میں رسوخ پانے کی محنت سے متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس آخر الذکر کو تو کوئی 'کام' ہی نہیں جانتی۔ الا ماشاء اللہ۔ دراصل یہ انسان کے تفقہ اور اس کے فہم کی گہرائی اور اس کی رجاحتِ عقل کا ایک زبردست پیمانہ ہے۔ یعنی اس کے شعور کی لوح پر دین کے امور کا ایک ترتیب سے آجانا۔ اس ترتیب کو درست کر لینا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان کا ذہنی افق ہی وسیع کیا جائے۔ تاریخ کے ملبے تلے سے مسلم شخصیت کو ایک بڑی سطح پر برآمد کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

دین کے جو فرائض ہیں، انسان کے اپنے ماحول اور معاشرے میں دین کے اس سے جو تقاضے ہیں...... اللہ کا حق، بندوں کا حق، والدین کا حق، اولاد کا حق، زوجین کے حقوق، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق، معاشرے کے حقوق، پوری انسانیت کے حقوق حتی کہ مظلوم ہی نہیں ظالم کے حقوق بھی ہمارے دین میں واضح کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سب 'فرائض' ہیں جن میں سرفہرست اللہ کا حق ہے...... ان فرائض کی سمجھ پانا، ان میں اہم اور اہم تر کی تمیز کرنا، اہم تر کو اہم سے مقدم رکھنا، ان فرائض کی ادائیگی کی عملی صورت نکالنے کیلئے بہتر سے بہتر لائحہ عمل وضع کرنا، ان میں توازن قائم کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا...... پھر ان فرائض کو، خواہ وہ اللہ کے حق سے متعلق ہوں یا بندوں کے حق سے، بہترین انداز میں اور علی وجہ المطلوب ادا کرنے میں لگ جانا، اس کو پوری توجہ دینا اور اس پر باقاعدہ محنت کرنا...... بہت سے لوگوں کو یہ کوئی بڑا کام نظر نہیں آتا۔ البتہ کسی ایک ہی فرض میں 'نام' پیدا کر لینا ان کی نظر میں پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ البتہ جو تاثر ان کے دلوں پر 'وظائف' اور 'فضائل' میں نام پیدا کرنے لینے سے قائم ہوتا ہے وہ حیثیت کسی بات کو حاصل نہیں۔ اس پر محنت اور ریاضت سے انکے دل کو جو تسلی ہوتی ہے یا کسی کو کرتا دیکھ کر اس سے یہ جتنا متاثر ہوتے ہیں اتنا 'فرائض' کی جامع ومتوازن ادائیگی سے متاثر نہیں ہوتے!

پھر جو لوگ اس سے کچھ آگے بڑھتے ہیں...... 'مستحبات وفضائل' سے پہلے ''فرائض'' کو اہمیت دیتے ہیں اور اس بات سے بھی حتی الوسع بچنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی ایک ہی فرض کو دین میں بہت زیادہ نمایاں کر دیں یعنی وہ فرائض میں ''توازن'' اور فرائض کی ''سنت ترتیب'' کا بھی ممکنہ حد تک خیال رکھتے ہیں ــــ اگرچہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو فرائضِ دین کی ''ترتیبِ اولویت'' رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سیرت سے لیں ــــ اور ایسے لوگ بلاشبہ معاشرے کیلئے ایک بہت بڑا سرمایہ ہیں...... تو ان میں سے بیشتر لوگ بھی دین کا آغاز 'فرائض' اور 'عملی واجبات' اور 'مسائل واحکام' سے کرتے ہیں۔

حالانکہ دین کا آغاز دین کے ''حقائق'' سے ہوتا ہے۔ دین کے 'فرائض' اور 'اعمال' کا مرتبہ اس کے بعد ہے۔

'اسلامی شخصیت' کا حسن تبھی آتا ہے جب دین کا آغاز دین کے بنیادی اور اساسی حقائق میں عمق اور رسوخ حاصل کرنے سے کیا جائے اور ان 'حقائق' کو ہی ذہن میں اتر کر 'فرائض' کا تعین کرنے دیا جائے۔ عملی 'احکام' اور 'مسائل' کی تفصیل اسکے بعد آتی ہے۔

کتنی ہی تنظیمیں اور جماعتیں ہیں جو لوگوں کو زیادہ تر فرائض اور عملی واجبات کی جانب، یا پھر فرائض اور عملی واجبات میں سے بعض کی جانب، متوجہ کرتی ہیں۔ بیشتر جماعتیں 'اعمال' کی بنیاد پر ہی نوجوانوں کی ذہن سازی اور شخصیت سازی کرتی ہیں۔ 'فرائض' یا 'بعض فرائض' کی تعلیم بلاشبہ ایک مطلوب کام ہے۔ دین کے کئی ایک فرائض کی انجام دہی بلکہ بعض متروک فرائض کا احیاء آج انہی کے دم سے ممکن ہوا ہے۔ دین کا آج بہت کچھ جو بچا ہوا ہے وہ انہی کی محنت کا مرہون منت ہے اور اللہ کے ہاں تو نیکی کا کوئی کام بھی معمولی نہیں۔ اللہ کی خاطر نیکی کا جو کام بھی کیا جائے وہ پورا پورا اجر پاتا ہے مگر ہمارا موضوع یہاں 'مطلوبہ فرد' کی تیاری ہے۔ ایک اوسط فرد کو، اس میں کمیوں کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے بھی، جیسا ہونا چاہیئے اور جہاں ہونا چاہیئے ہم یہاں اس پر بات کر رہے ہیں۔ ہمارا موضوع یہاں یہ ہے کہ 'بشری تقاضوں' کے تحت کسی تنظیم یا کسی فرد میں کچھ کمزوریاں اگر رہنی ہی ہیں تو ان کمیوں اور کمزوریوں کیلئے سب سے کم گنجائش کہاں ہونی چاہیئے اور نسبتاً زیادہ گنجائش کہاں ہوسکتی ہے......

لہٰذا ہماری اس بات کا مقصد کسی کی محنت کو رائیگاں قرار دینا نہیں بلکہ اس کی محنت کو سنت سے قریب تر کرنا اور دُنیا و آخرت میں زیادہ سے زیادہ ثمر آور کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کمی، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا، محض ایک 'کمی' نہیں جو کہ انسانوں میں بہرحال پائی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ ایک 'بے جا کمی' ہے۔ بشری تقاضوں کے تحت کمی کو اگر کسی وجہ سے رہنا ہی ہے تو پھر وہ وہاں کیوں رہے جہاں وہ سب سے زیادہ نقصان دہ ہے اور ''نقص دور

کرنے' پر محنت سب سے زیادہ وہاں کیوں ہو جہاں نقص کا رہ جانا (مطلق تو نہیں) نسبتاً کم نقصان دہ ہے!؟

'کمزوریاں' دور کرنے پر محنت یا تو ہو نہ رہی ہو مگر جب اس پر کام ہو رہا ہے تو پھر دین کے اہم تر پہلو ہی اس محنت سے کیوں محروم رہیں؟

اسلام سب سے پہلے 'اعمال' نہیں ایک حقیقت ہے جو دل میں اترتی ہے اور پھر کردار میں رونما ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو سب سے زیادہ سنوارنا نکھارنا ضروری ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے نماز نہیں اتری۔ روزہ اور حج کے احکامات نہیں اترے۔ تبلیغ یا دعوت پر بھی مسلمانوں کو پہلے دن سے مامور نہیں کیا گیا۔ قتال کا فرض یا اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کے قیام کا فرض نہیں اترا۔ خارجی اعمال میں سے کوئی عمل بھی اسلام کی ابتدا نہ تھی۔ اسلام کی ابتدا کچھ برگزیدہ حقائق کو قلب وذہن میں اتارنا تھا یہی وجہ ہے کہ پہلی وحی اقرأ باسم ربک الذي خلق سے شروع ہوتی ہے۔ اور امام بخاری بدء الوحی سے اپنی ''صحیح'' کا آغاز کرتے ہوئے کتاب الایمان اور کتاب العلم کو اپنی تصنیف کی پیشانی بناتے ہیں اور ایک جگہ یوں باب باندھتے ہیں:

باب: العلم قبل القول والعمل. لقول اللّٰه عزوجل فاعلم أنه لا اله الا اللّٰه. فبدأ بالعلم(۱) (صحیح بخاری کتاب العلم)

چنانچہ دین کا آغاز کچھ برگزیدہ حقائق ہیں جو کہ وحی کا اصل مضمون ہیں اور سب سے پہلے انہی کو قلب وذہن میں اتارا جاتا ہے۔ پھر یہ برگزیدہ حقائق ایک بار سمجھا کر اور ازبر کرا کے چھوڑ نہیں دیے جاتے کہ 'یہ تو اب سمجھ لئے گئے ہیں اب اگلی بات کریں'۔ ابتدائے وحی میں کچھ دیر تک تو انہی حقائق کا ذکر ومذاکرہ اور تذکرہ ومراجعہ کرنا 'دین' رہتا -

(۱) اس بات کا بیان کہ علم (کا درجہ) قول اور عمل سے پہلے آتا ہے، جس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے ''پس اس بات (کی حقیقت) کو جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' چنانچہ (اللہ تعالی نے) یہاں علم (جاننے) کو مقدم کیا''......امام بخاری

ہے اور اس کے سوا کچھ نازل ہی نہیں کیا جاتا کہ مبادا معاملہ کسی خلط کا شکار ہو۔ کیونکہ ابتدا میں پایا جانے والا خلط پھر آخر تک باقی رہتا ہے۔ کچھ دیر تک یہ بات ذہن نشین کرا کر کہ اسلام اصل میں یہ ہے پھر جب کچھ اور ہدایات اور فرائض اور احکامات اور مسائل بھی تھوڑے تھوڑے کر کے بتائے جانے لگتے ہیں تو اسلام کی اس اصل حقیقت کا وِرد رُک نہیں جاتا۔ تیئیس سال تک اسلام کے ان بنیادی حقائق کا برابر دور ہوتا ہے۔ قرآن پڑھ لیجئے...... مسائل، احکام اور عملی تعلیمات کے دوران ہر بات سے پہلے، ہر بات کے بعد، ہر بات کے درمیان رک رک کر پھر انہی حقائق کا تذکرہ ہونے لگتا ہے تا کہ معلوم ہو اور معلوم رہے اور کسی لمحہ بھر کیلئے بھی بھولنے نہ پائے کہ اصل اسلام یہی ہے اور باقی سب کچھ اسی کی بنیاد پر اور اسی کی نسبت سے اور اسی کی فرع کے طور پر مطلوب ہے اور یہ کہ ہر چیز کی قیمت اور وقعت بس اسی کے دم سے ہے۔

مسلم شخصیت کو برآمد کرنے...... یا ایک اوسط مسلم فرد کی از سرِ نو تعمیر کرنے میں اس بات کو ذہن نشین کر لینا ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

'فرد' پر محنت کا اولین محور:

دین کے حقائق میں رسوخ

یہ حقائق کیا ہیں جن سے اسلام کی ابتدا ہوتی ہے اور جو کہ مستحبات سے پہلے، بلکہ فرائض سے بھی پہلے، مطلوب ہیں اور جن پر محنت کی جانا سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ضروری ہے؟

اللہ کی پہچان، اللہ کی تعظیم اور توحید کا صحیح تصور، بندگی کا مطلب اور الوہیت کا مفہوم۔ بندگی کے مفہوم کی وسعت اور گہرائی۔ اللہ کی عظیم صفات کا ___ بشری حدود میں رہتے ہوئے ___ حتی الوسع علم اور معرفت۔ ربوبیت کی حقیقت جاننا۔ الوہیت کا مفہوم سمجھنا۔ ان سب پہلوؤں سے اللہ کی وحدانیت اور یکتائی اور کبریائی کا بار بار اعتراف کرنا اور کروانا۔ ان سب پہلوؤں سے اللہ کے ساتھ شریک کئے جانے والوں کی نفی وانکار اور ماحول وگردوپیش میں ان کے لئے روا رکھی جانے والی عبادت وبندگی کا مسلسل اور پورے زور سے انکار۔ ان ہستیوں کیلئے روا رکھی جانے والی عبادت وبندگی کی سب انواع اور سب نظریاتی اور عملی صورتوں کا ایک زندہ اور واقعاتی انداز سے بطلان کرنا...... انکا ایک محسوس کروا دینے والے انداز سے بطلان کرنا اور ان سے اپنی دشمنی اور بیزاری کا ممکنہ حد تک اظہار کرنا اور غیر اللہ کی عبادت وبندگی کے خاتمہ پر دل وجان سے مصر نظر آنا۔

یہ اللہ پر ایمان ہے...... ایمان، جو کہ اسلام کی بنیاد اور ابتداء ہے، کی ابتداء اللہ کی پہچان اور اللہ کے حقوق جاننے سے ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان کی ابتدا بھی اسی

سے ہوتی ہے اور ایمان کی انتہا بھی اسی پر ہوتی ہے۔ اعمال بس درمیان میں آتے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی منفرد حقیقت ہے۔ جن اعمال کو ایمان جنم دیتا ہے وہ آگے پھر ایمان ہی کو جنم دیتے ہیں۔ ایمان کے بیج سے جو عمل پیدا ہوتا ہے وہ پھر ایمان ہی کے پھل دیتا ہے۔ یوں یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر ایک بہترین انداز میں چل نکلتا ہے:

والذین اهتدوا زادهم هدی و أتاهم تقواهم (۱)

اسی کے ایک آیت بعد پھر یہ آیت آتی ہے اور جس کو کہ امام بخاری **باب العلم قبل القول والعمل** کا عنوان بناتے ہیں:

فاعلم انه لااله إلا الله واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمومنات (۲)

ایمان کا علم ہر چیز سے پہلے ہے۔ یہاں سے عابرِ سبیل ہو کر گزرنا ہرگز درست نہیں۔ اس کو 'سمجھی سمجھائی' چیز جاننا دین کی ہر بات کو بے جان کر دینا ہے۔ 'اللہ پر ایمان' وہ زبردست حقیقت ہے جس پر اسلام کی، حتی کہ باقی ایمانیات کی، تمام تر بنا استوار ہوتی ہے۔

ایمان کی بنیاد پختہ کرنے سے مراد:

- ایمان کے حقائق پر یقین پیدا کرنا بھی ہے
- اوران حقائق کا علم لینا اوران کا فہم پانا بھی
- اوران کی حدود اور قیود کو جاننا بھی
- دین کے ان حقائق کو عمل کی بنیاد اور تحریک کا موضوع بنانا بھی۔
- حتیٰ کہ ایمان کے نواقض (جن چیزوں سے ایمان چلا جاتا ہے) جاننا بھی

''ایمان پر محنت'' یا ''ایمان کی بنیاد پختہ'' کرنے میں آتا ہے۔

---

(۱) سورہ محمد، آیت ۱۷ ''وہ جنھوں نے ہدایت پائی، اللہ پھر ان کو اور سے اور ہدایت دیتا ہے اور انہیں بچ بچ کر رہنے (کا سلیقہ) عطا کرتا ہے''۔

(۲) سورہ محمد، آیت ۱۹ ''اس بات (کی حقیقت) جان لو کہ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ، اور معافی مانگو قصور پر اپنے لئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کیلئے بھی''۔

ارکانِ ایمان، بیان کرنے میں چھ ہیں اور ان چھ کے چھ پر ایمان رکھنا ضروری ہے، مگر دراصل یہ اللہ پر ایمان کی ہی ایک تفصیل ہیں......

فرشتوں پر ایمان دراصل اس کی عظمت و کبریائی کا ہی ایک عظیم الشان پہلو ہے۔ آسمانوں کے اوپر ہر دم ہونے والی اللہ کی حمد اور تسبیح جس میں کوئی ایک لمحے کا بھی وقفہ نہیں آنے پاتا۔ اللہ کی تعریف میں رطب اللسان پاکیزہ روحانی مخلوقات جن کی ماہیت جاننا بھی انسان کے بس سے باہر ہے۔ آسمان کے ہر ہر چپے پر رکوع وسجود اور قیام میں کھڑے فرشتوں کے بوجھ سے آسمان کا چرچرانا۔ کائنات کی وسعتوں اور پہنائیوں میں اللہ کی عظمت کے کبھی نہ رکنے والے تذکرے۔ عرش کے پائے تھامے ہوئے دعاؤں اور التجاؤں میں لگے ہوئے فرشتے اور اس کے گرد فرشتوں کے پرے کہ پاکیزگی اور لطافت جن کا بنیادی وصف ہے۔ بیت المعمور میں سجدے کا شرف پانے کیلئے اپنی باری کا انتظار کرتے فرشتے۔ چاق وچوبند، کائنات کے ہر طرف اللہ کی ڈیوٹیاں کرتے فرشتے...... یہ دراصل اللہ کی الوہیت، اللہ کی وحدانیت اور کبریائی اور اس کے مطاعِ مطلق اور فرماں روائے ہستی ہونے کا ایک خوبصورت اور عظیم الشان پہلو ہی تو ہے۔

پھر اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان اس کی رحمت اور اس کے حقِ بندگی واطاعت کا اعتراف ہی تو ہے۔ اس رحیم اور کریم کے ہاں سے کتابوں کا نزول اور رسولوں کی بعثت، کائنات کے اس حقیر اور ناقابل ذکر گوشے میں بسنے والی خاکی مخلوق سے اس کا التفات ہی تو ہے کہ اُس نے اِس بے چارہ انسان کو اپنی پہچان کرائے بغیر نہ رہنے دیا اور اپنا نام لئے اور اپنی بندگی کا موقعہ دیئے بغیر نہ مرنے دیا۔ کتابوں اور رسولوں پر ایمان اس اعتراف کی دلیل ہی تو ہے کہ انسان ہدایت کا سدا محتاج ہے اور یہ کہ اس مقصد کے لئے اللہ نے اپنے کلمات کو محض اپنے فضل اور عنایت سے ہر ملک اور ہر رنگ اور ہر نسل کے انسان تک پہنچانے کا ایک اعلیٰ اور معیاری بندوبست کیا اور پھر ان اعلیٰ کلمات کے سمجھانے کو اور ان کا عملی سبق پڑھانے کو ہر دور کے بہترین، اعلیٰ ترین اور بے لوث ترین انسانوں کو پیغمبر بنا

کر اس فرض پر متعین کیا اور یہ کہ اللہ کے ان کلمات سے اور اسکے متعین کردہ ان خدائی رہنماؤں سے آدمی کو بندگی کے باقاعدہ آداب سیکھنا اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کی پہچان کرنا ہے۔ یوں کتابوں اور رسولوں کا موضوع بھی اللہ کی ذات ہے اور یکتا اسی کی پرستش اور اسی کی عبادت اور پھر اس کی اس عبادت اور پرستش کے آداب پر مشتمل عملی تفصیل جس کو شریعت کہا جاتا ہے۔

پھر یوم آخرت دراصل اس سے ملاقات کا دن ہے۔ یوم آخرت پر ایمان اس کی رحمت اور اس کے عدل اور اس کے روبرو مکافات عمل ہونے کی شہادت دینا ہے۔ یوم آخرت پر ایمان اس دنیا میں اس کی رعایا بن کر رہنا ہے اور اس کے قانون اور اس کی حدوں کی پاسداری پر آمادگی۔ یوم آخرت پر ایمان اس کی چاہت کا اظہار ہے اور اس کے خوف کا اقرار۔ یوم آخرت اس امید کا نام ہے جسے بندوں کو اپنے مالک سے اور اس مملکت کے فیاض اور مہربان اور عادل فرماں روا سے وابستہ رکھنے کا حکم ہے اور جو کہ صرف اسی ذات کے شایان شان ہے۔ یوم آخرت پر ایمان اللہ کے، ظاہر و باطن کی خبر رکھنے پر قادر ہونے کی شہادت ہے اور اس ذرے ذرے کو میزان میں تول لینے والی ذات کے آگے دیندار اور جواب دہ ہونے کا اعتراف۔ یوم آخرت کا موضوع بھی یوں اللہ کی ہی ذات ہے۔ یوم آخرت پر ایمان اسی بات کا اقرار ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ دیکھا جانے والا ہے کہ اس کی بندگی کیسی ہوئی اور زندگی کا مقصد کیونکر پورا ہوا۔

پھر تقدیر پر ایمان تو ہے ہی اس کی قدرتوں اور اس کی حکمتوں کا اعتراف اور اس کے مطلق و محیط علم کا اقرار اور اس کے فیصلوں کے، ہر حال میں، حق ہونے کی بندگانہ شہادت اور اس کے ہر کام سے راضی برضا رہنے کا عہد۔ تقدیر پر ایمان تو ہے ہی واقعات سے بے خوف اور ناامید ہو جانا اور صرف ایک واقعات کو وجود میں لانے والی ذات سے ہی تمام تر خوف اور تمام تر امید وابستہ کر لینا۔ تقدیر پر ایمان کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ کائنات میں اور انسانی دنیا میں خدائی سنتوں کا مطالعہ کیا جائے، ان کو اندھی اور بے رحم قوتوں کی کارستانی

نہیں بلکہ ایک بامعنی اور مبنی بر حکمت پیغام سمجھ کر ان سے اسباق لئے جائیں۔ ان میں اسباب اور مسببات کا ایک مربوط اور باقاعدہ رشتہ تلاش کیا جائے۔ اسباب اور مسببات میں قائم رشتوں کو بھی اللہ کی مشیئت کا تقاضا سمجھ کر ان کا احترام کیا جائے اور حق کے مقاصد کیلئے اس کا نام لے کر اسباب کو بروئے کار لانا اس کی منشا کی پیروی اور اس کی عبادت سمجھا جائے مگر اس پر بھی اس کی مطلق مشیئت کو بالاتر جانا جائے جو کہ اسباب اور مسببات میں پائے جانے والے رشتوں کی خالق ہے نہ کہ ان کی پابند۔ لہٰذا اس کے پیدا کردہ سب ممکنہ اسباب اختیار کر لینے کے بعد سب سہارا اس کی مطلق مشیئت پر اور سب امید اس کے مطلق فضل پر لگا رکھی جائے جو کسی حد اور کسی قید کی پابند نہیں...... کہ وہ ذات اپنی مرضی اور حکمت اور علم سے جو چاہتی ہے سو کرتی ہے۔

یوں تقدیر کا موضوع بھی اللہ کی ذات ہے اور اس کی رضا پہ راضی رہنا جو کہ بندگی کی ایک اعلیٰ صورت ہے۔

دراصل ارکان ایمان کی صورت میں آدمی مختلف پہلوؤں سے، اور نہایت خوبصورت پہلوؤں سے، اسی اللہ پر اپنے ایمان کی توثیق اور توکید کرتا ہے جس کو وہ 'ایمان کے رکن اول' میں جان آیا ہے۔ ہر رکنِ ایمان دراصل اسی ذات کی کبریائی، اسی کی عظمت، ربوبیت اور الوہیت میں اسی کی یکتائی کا کسی نہ کسی پہلو سے بیان ہے۔ گو ہر رکنِ ایمان اپنے اندر بے پناہ تفصیل رکھتا ہے اور اس کی وضاحت اپنی جگہ طویل بھی ہو جاتی ہے مگر دراصل یہ اپنی مجموعی حیثیت میں اللہ کی ذات کا ہی ایک تعارف اور اس سے وفاداری کا ہی ایک اقرار بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارکانِ ایمان بیشتر ضمیرِ اضافت کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اور یہ ضمیر (ہٖ) اس کے نام ___ لفظ جلالت ___ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی 'اُس' کے فرشتے...... 'اُس' کی کتابیں...... 'اُس' کے رسول......

آمن الرسول بما أنزل اليه من ربه والمؤمنون كل امن بالله وملائكته وكتبه ورسله لا نفرق بين احد من رسله وقالوا سمعنا واطعنا

غفرانک ربنا والیک المصیر (البقرۃ:۲۸۵)

''ایمان لائے رسول اللہ ﷺ اس ہدایت پر جو آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ پر نازل ہوئی۔ اور مومن بھی ایمان لائے اسی ہدایت پر۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر۔ ''ہم نہیں تفریق کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی'' اور گویا ہوئے: ''ہم نے سنا اور مان لیا۔ مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے''۔

یاأیھا الذین أمنوا أمنوا باللّٰہ ورسولہ والکتاب الذي نزل علی رسولہ والکتاب الذی أنزل من قبل ومن یکفر باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الأخر فقد ضل ضلا لا بعیدا (النساء:۱۳۶)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔ اور جس نے کفر کیا اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور روز آخرت سے تو وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا ہے''۔

مختلف انداز میں قرآن کے اندر آخرت اور تقدیر کو ایمان کے رکنِ اول سے ہی جوڑا اور برآمد کیا جاتا ہے گویا آخرت ہے ہی اللہ سے ملاقات اور تقدیر محض اس کا فیصلہ:

من کان یرجو لقاء اللّٰہ فان أجل اللّٰہ لآت [۱]

فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ أحداً [۲]

---

(۱) العنکبوت:۵ ''وہ جو اللہ سے ملنے کی امید اور یقین رکھتا ہے، تو اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت بس آنے ہی والا ہے''۔

(۲) الکہف:۱۱ ''تو پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو تو اسے چاہیے اچھے عمل کرلے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے''

من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه (حديث) [۱]

وكان أمر الله قدراً مقدوراً [۲]

ارکانِ ایمان درحقیقت اللہ پر ایمان ہی کا تتمہ ہیں۔ خود اس کی ذات کے سوا کوئی رکنِ ایمان بھی مستقل بالذات نہیں۔ مگر یہ سب کے سب ارکانِ ایمان ہی آدمی کے مسلمان ہونے کی بنیاد ہیں۔ ان میں سے کسی کے بغیر بھی آدمی مسلمان نہیں۔ کسی ایک پر ایمان نہ لانا اللہ پر ایمان نہ لانا ہوگا۔ یہ اگر اللہ پر ایمان کا تکملہ اور تتمہ بھی ہیں تو کسی معمولی ذات کا نہیں اللہ رب العالمین پر ایمان کا تکملہ اور تتمہ ہیں۔ یوں سمجھیے اللہ پر ان سب پہلوؤں سے ایمان لانا مسلمان ہونے کیلئے مطلوب ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی بھی پہلو سے ایمان نہ رکھا جائے تو ایمان معتبر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ ہمیں اللہ کے ننانوے نام بتاتے ہیں۔ ہر نام اس کی ایک عظیم صفت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ دراصل اس ایک ذات کو ننانوے پہلوؤں یا ننانوے جہتوں سے جاننا ہے۔ پھر اس کے علاوہ کئی نام اور کئی صفات اس کے الگ سے قرآن میں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں وارد ہوئے ہیں۔ یہ دراصل اس کو بے شمار اور ان گنت پہلوؤں سے پہچاننا ہے۔ ہر پہلو اپنے اندر ایک لامحدود وسعت رکھتا ہے۔ انسان کو اپنے ظرف اور ہمت کے مطابق اور اپنی حدود میں رہتے ہوئے ان کا علم لینا ہے اور مزید کیلئے اس سے دعا کرنی ہے۔

فتعالى الله الملك الحق ولا تعجل بالقرآن من قبل أن يقضىٰ إليك وحيه وقل رب زدني علما (طٰہٰ:۱۱۴)

---

(۱) صحيح ابن حبان، عن عبادة بن الصامت: ''جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرے اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے''

(۲) الاحزاب:۳۸ ''اور اللہ کا حکم تو ایک قطعی طے شدہ فیصلہ (تقدیر) ہوتا ہے''۔

''پس بالا و برتر ہے اللہ، پادشاہ حقیقی۔ اور دیکھو، قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے، اور دُعا کرو کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر''۔

وقل رب زدنی علماً!

یہ ابھی صرف اللہ کے اسماء اور صفات کا معاملہ ہے۔ اس کی ربوبیت اور الوہیت کے خاص حقائق ابھی الگ پڑے ہیں۔ جنہیں انسان کو اپنی استطاعت کی حد تک جاننا اور سمجھنا ہے۔ پھر اس ربوبیت اور الوھیت کا غیر اللہ سے انکار کرنا ہے اور اس انکار کی حقیقت اور تقاضوں کو جاننا سمجھنا ہے۔ لا الــہ الا اللّٰــہ کے مفہوم کو پانا ہے جس پر ابتدائے وحی میں بہت ہی محنت کرائی گئی۔ لا الــہ الا الــلّٰــہ کا، زندگی میں اور زندگی کے جملہ معاملات اور تعلقات اور سب رشتوں میں، رتبہ متعین کرنا ہے۔ لا الہ الا اللّٰہ کو معاشرے سے ربط دینا ہے اور معاشرے کو لا الــہ الا الــلّٰہ کی میزان میں تولنا ہے۔ لا الــہ الا الــلّٰہ کی بنیاد پر اپنی زندگی کا انفرادی، اجتماعی اور تحریکی لائحۂ عمل مرتب کرنا ہے۔

ایک اور چیز کی طرف بھی توجہ فرمایئے۔ قرآن کا ایک خاصا بڑا حصہ قصص پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل لا الہ الا اللّٰہ کی بنیاد پہ تاریخ کا مطالعہ ہے۔ قرآن کا ہر قاری خود بخود تاریخ کا طالب علم ہوتا ہے مگر وہ تاریخ کے مطالعے کا ایک زبردست منہج بھی پاس رکھتا ہے۔ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کس بنیاد پر کیا جانا ہے جبکہ وہ یہ جان چکا ہو کہ قرآن کو کس طرح پڑھنا ہے۔ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ تہذیبوں کے عروج اور زوال کے پیچھے کیا تلاش کیا جانا ہے۔ وہ قرآن سے روزانہ یہ سیکھتا ہے کہ ماضی اور حال کا مشاہدہ کیونکر کرنا ہے۔ ایک طرف تہذیبوں کی ترقی اور چکا چوند کو کس نگاہ سے جانچنا ہے اور دوسری طرف تباہ شدہ بستیوں اور مٹی میں دفن اوندھی پڑی تہذیبوں کو کس نظر سے دیکھنا ہے۔ وہ نظر کیونکر پانی ہے جو عیاشیوں اور سرمستیوں کے شور میں اور فلک بوس عمارتوں کے پس پردہ اوندھی پڑی ہوئی بستیاں دیکھ سکے اور اوندھی پڑی ہوئی سنسان بستیوں میں تہذیبوں اور ترقیوں کا شور سن سکے۔

قرآن سے یہ نظر لے کر اسکو پھر اپنی دنیا میں اترنا ہوتا ہے۔ یہ ایک عبرت نظر شخص ہوتا ہے۔'اخبار' سے اس کو ایک خاص سروکار رہوتا ہے۔ کسی داد طلب واقعے کو یہ داد دیئے بغیر نہیں گزرتا۔ کسی اہم واقعے سے یہ لاتعلق نہیں رہتا۔ کسی سبق آمیز واقعے کو یہ سبق لئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ نہ یہ ماضی کو قصۂ پارینہ جانتا ہے نہ یہ حال کو حرف آخر سمجھتا ہے اور نہ مستقبل کو دھونس اور طاقت کا کھیل۔ یہ ماضی میں حال کی تصویر دیکھ سکتا ہے اور حال میں مستقبل کا چہرہ پڑھ سکتا ہے۔ یہ واقعات کو ایک گہرا ربط دے سکتا ہے۔ یہ سب وقائع میں اللہ کی حکمت اور اس کے دستِ اختیار کو کارفرما دیکھتا ہے اور عاقبت کو ہر حال میں اور صرف اور صرف اہلِ تقوی کے حق میں پاتا ہے۔

دُنیا کی وسعت اس کی نگاہ میں آخرت کی کشادگی کے آگے سمٹنے لگتی ہے۔ یہ دنیا کو اس کے پورے قد کاٹھ کے ساتھ دیکھنے پر قدرت رکھتا ہے، کہ گوشہ نشینی اس کا مسلک نہیں، مگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کی بدولت یہ دنیا کا بونا پن بھی ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں اس کو ایک وقتی سامان دکھائی دیتی ہیں۔ نہ ان نعمتوں اور آسائشوں کو پا کر گویا یہ دل کی مراد پاتا ہے اور نہ ان نعمتوں اور آسائشوں کے کھونے سے اس کا دل نکل جاتا ہے۔

لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم (۱)

یہ دنیا کو اس کی آسائشوں اور سختیوں سمیت بس لمحۂ گزراں دیکھتا ہے اور اس 'لمحے' کے ختم ہونے سے پہلے پہلے یہاں اپنا کام نمٹانے کی فکر کرتا ہے اور اللہ سے ان آسائشوں کا سوالی ہوتا اور ان سختیوں سے پناہ مانگتا ہے جو کہیں جانے والی نہیں۔

یہ طاغوتوں کو یہاں تخت سے چمٹا دیکھ کر اور سرکشوں کو یہاں کبر ونخوت سے براجمان پا کر خندہ زن ہو سکتا ہے۔ یہ عبرت نگاہ ان تختوں اور کرسیوں پر ان سے پہلوں کو

---

(۱) الحدید: ۲۳ ''تاکہ ایسا نہ ہو کہ کچھ تمہارے ہاتھ سے چلا جائے تو اس پر رنج ہی کرتے رہو اور جب وہ تمہیں (دنیا میں) کچھ دے تو اس پر اتراتے ہی رہو''

اب بھی بیٹھا دیکھ سکتا ہے اور ان کے بعد ان کرسیوں پر باریاں لینے والوں کا تصور ابھی سے کر سکتا ہے۔ یہ ان سب آنے جانے والی مخلوقات کے ممکنہ انجام کو چشم خیال میں رکھتا ہے اور اس کو محض دل کی تسلی نہیں بلکہ ایمانی حقائق کی بنیاد پر حتمی اور حق جانتا ہے۔

ایک ایسی ہی شخصیت دین کے حقائق پر محنت سے جنم لیتی ہے!

یہ ابھی ہم نے بہت ہی اختصار سے ارکانِ ایمان کی جانب کچھ اشارات کئے ہیں ...... ارکانِ ایمان یعنی اللہ ذوالجلال پر کن کن پہلوؤں سے ایمان لانا ہے اور پھر ان ایمانی حقائق کو زندگی اور معاشرے سے کس طرح جوڑنا ہے اور یہ کہ ایمان کے ان حقائق کو دل میں اتار کر معاشرے میں کیونکر اترنا ہے۔ ارکانِ ایمان، جو کہ چھ ہیں، دراصل اسلام کے بہت ہی بنیادی حقائق ہیں۔ ان کی تفصیل اپنی جگہ طویل ہے اور صرف جاننے اور ماننے اور دل میں بسانے سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر دین کے اور بہت حقائق ہیں جو دین کی اساسیات میں بیان ہوتے ہیں۔ دین کے یہ حقائق یا تو ارکان ایمان ہی کے ذیل میں کسی نہ کسی حوالے سے درج ہوتے ہیں یا پھر کبھی الگ سے بھی بیان ہوتے ہیں۔ ان سب حقائق کو ازبر کرنے پر محنت کرنا اپنے دین اور اپنی عبادت کی بنیاد کو پختہ کرنا ہے اور اسلام کو اس کا مطلوب فرد پیدا کر کے دینا بھی۔

شہادتین کی بابت چند باتیں کہنا ابھی باقی ہے۔

شہادت کا مضمون گو ایک لحاظ سے ارکانِ ایمان کے ذیل میں بھی آ سکتا ہے مگر اس کی اپنی الگ حیثیت کہیں زیادہ واضح ہے۔ شہادت مستقل بالذات انداز میں بیان ہوتی ہے اور ارکان اسلام میں اس کا سب سے بڑھ کر مرتبہ ہے۔ یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ارکان ایمان میں نہیں ارکان اسلام میں آتی ہے بلکہ ارکان اسلام میں یہ پہلا رکن اسلام ہے۔ اس کا معاملہ بقیہ ارکان اسلام سے بے حد مختلف ہے۔ یہی وہ رکن ہے جو اسلام میں داخل ہونے کیلئے اصل دروازہ اور دعوتِ اسلام کا اصل عنوان ہے۔

باقی ارکان اسلام مانند نماز وروزہ کو ٹھہر کر اور مرحلہ بہ مرحلہ نازل کیے گئے مگر پہلا رکن اسلام چونکہ اسلام کی اصل حقیقت ہے اس لئے یہ سب سے پہلے نازل ہوا۔ یہ اسلام کی جان ہے اور اس کے بغیر اسلام کا کوئی تصور نہیں۔ اس کی اس حیثیت کو جاننا اور سمجھنا پھر اس کی مراد اور مفہوم پانے کیلئے اپنے قلب وذہن اور شعور ووجدان میں زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کرنا تاکہ عبادت کے سب افعال اس حقیقت کا اظہار بن جائیں اور اسی **لا الہ الا اللہ** کا مزہ دینے لگیں، از حد ضروری ہے۔ یہ **لا الہ الا اللہ** کی سرزمین پر اور **لا الہ الا اللہ** کی فضا میں عبادت کے افعال کاشت کرنا ہے۔ پودے کو سب کچھ زمین سے اور فضا سے ہی ملتا ہے لہٰذا بہت کچھ محنت اعمال سے پہلے اسی بنیاد کو بنانے اور سنوارنے پر کی جانا ہے۔ اسلام کا مطلوب فرد اور اسلام کی مطلوب شخصیت اسی سے نمودار ہوگی۔

لا الہ الا اللہ کو نفس انسانی میں اترنے کیلئے تین پہلوؤں سے جان لیا جانا ضروری ہے:

ا) اللہ کا تعارف، تاکہ معلوم ہو کہ **الا اللہ** کہتے ہوئے کس ذات کیلئے عبادت کا اثبات کر رہے ہیں اور کس کی خاطر ہر کسی سے عبادت کی نفی ہو رہی ہے۔

۲) **الہ** کا مفہوم، جس میں خدائی کے سب معانی آتے ہیں اور جس میں عبادت اور بندگی کی حقیقت بھی آتی ہے۔

۳) نفی اور اثبات کی حقیقت، جو کہ **لا** اور **الا** کے الفاظ سے وجود میں آتی ہے اور جس پر کہ اس کلمہ کی معنویت کا سارا انحصار ہے۔

اس کلمہ کے یہ تینوں پہلو اس قدر مربوط اور لازم وملزوم ہیں کہ ان کا الگ الگ ہونا ممکن ہی نہیں۔ یہ تینوں پہلو بیک وقت نگاہ میں رہیں تو اس کلمہ کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

ان تینوں میں سے پہلی بات، یعنی اللہ کا تعارف پانے کے موضوع پر، چند باتیں ارکان ایمان کے ضمن میں ابھی پیچھے ہم کر آئے ہیں۔ رہ گئی دوسری اور تیسری بات تو **لا الہ الا اللہ** کے حوالے سے اس پر چند کلمات کہنا ابھی باقی ہے:

عبادت جس کی، لا الہ الا اللہ کہتے وقت، مسلمان ہر ہستی اور ہر ذات سے نفی کرتا ہے اور محض ایک ہستی کیلئے جس کا اثبات کرتا ہے، تین طرح سے پائی جاتی ہے:

عبادت کے وہ افعال جو محض دل میں وجود پاتے ہیں، اور جن کو قلبی عبادات کہا جاتا ہے، یہی عبادت کا بڑا حصہ ہیں اور یہی عبادت کا اہم ترین حصہ۔ یہی دراصل عبادت کا دل ہے۔ محبت، چاہت، گرویدگی، ڈر، خشیت، رغبت، انابت، خوف، امید، توکل، بھروسہ، تسلیم، رضا، صبر، شکر، طلب، طمع، اخلاص...... سب عبادت کے افعال ہیں۔ ان سب کو اللہ کیلئے خاص کر دینا ایک محنت طلب کام ہے اور ان سب کا غیر اللہ سے پھیر دیا جانا حد درجہ مطلوب۔

پھر جوارح کی عبادت ہے جن کو عملی عبادات کہا جاتا ہے۔ دعا، التجاء، استعانت، حاجت روائی کی فریاد، سجدہ، رکوع، طواف، نذر، قربانی، تعظیم، سپاس، تقدیس، تسبیح، حمد، ستائش...... سب عبادت ہیں۔ یہ صرف اللہ کیلئے کئے جائیں گے اور زیادہ سے زیادہ اور جس قدر ہو سکے اور جتنے اخلاص سے ممکن ہو کئے جائیں گے۔ ان پر غیر اللہ کے ہر حق کی کھلی کھلی اور واضح انداز میں نفی کی جائے گی اور اگر ان میں سے کوئی بھی کام کوئی شخص غیر اللہ کیلئے کرے تو اس کو مشرک اور اس کے فعل کو صاف صاف باطل کہا جائے گا۔ ان افعال میں سے ذرہ بھر کا غیر اللہ کیلئے ہو جانا __ ملک میں اور دنیا میں __ سب سے بڑا اور سب سے گھناؤنا جرم سمجھا جائے گا اور اس کی جس قدر ہو سکے مذمت کی جائے گی۔

پھر معاشرتی عبادات ہیں۔ عائلی زندگی سے لے کر سماجی اور معاشی اور سیاسی زندگی کے ضابطے وقوانین اللہ کی شریعت سے لینا اور ان سب معاملات میں 'ہدایت' اللہ سے لینا اللہ کی عبادت ہے اور غیر اللہ سے لینا غیر اللہ کی عبادت۔ لا الہ الا اللہ کا اطلاق یہاں بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح دعا اور سجدے اور طواف پر ہوتا ہے۔

لا الہ الا اللہ دراصل انسانی وجود کو اور انسانی زندگی کو ان سب پہلوؤں سے اللہ وحدہ لاشریک کے آگے جھکانا ہے اور انسانی وجود اور انسانی زندگی کو ان سب پہلوؤں

سے غیر اللہ کی بندگی سے بیزار کرنا اور غیر اللہ کا کفر کرانا۔ انسان کی کل ہستی کا، ان سب پہلوؤں سے، اللہ وحدہ لاشریک کی جانب اور صرف اسی کی جانب رخ کروا دینا **لا الــہ الا اللّٰہ** کا واضح ترین مطلب ہے:

فـأقـم وجهك لـلـديـن حـنيـفـا فطرة اللّٰه التى فطر الناس عليها لاتبـديـل لخلق اللّٰه ذلك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون منيبين إليـه واتـقـوه وأقيـمـوا الـصلوة ولا تكونوا من المشركين من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعاً كل حزب بما لديهم فرحون (الروم:۳۰۔۳۲)

''تو پھر تم یک سو ہو کر اپنا رخ دین اور بندگی کی (اس موحدانہ) سمت میں جما دو۔ (یہ) اللہ کی اس فطرت (پہ قائم ہونا ہے) جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (قائم ہو جاؤ اس بات پر) اللہ کی طرف رخ انابت رکھتے ہوئے، اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور نہ ہو جاؤ نہ ان مشرکوں میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنالیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے''۔

یوں **لا الــہ الا الـلّٰـہ** کا اقرار دراصل انسان کی ہستی کو ایک جہت دینا ہے۔ یہ انسان کی ہستی کو عین اللہ کی سمت میں سیدھا کر دینا ہے۔ **لا الــہ الا اللّٰہ** انسانی وجود کا رخ اور انسانی نشاط کی جہت بن جاتا ہے۔ جس طرح قبلہ رخ ہوئے بغیر نماز نہیں اسی طرح توحید رخ ہوئے بغیر زندگی عبادت نہیں بنتی۔

پھر نفی واثبات شہادت کا نہایت اہم پہلو ہے۔ اس کے بغیر عبادت کا کوئی تصور نہیں۔ نفی کے بغیر اثبات اللہ کے شایان شان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ میں نفی اثبات پر مقدم کر دی گئی ہے۔ اثبات کا سب لطف نفی کے بعد ہے۔ چنانچہ باطل کو مسترد کرنا **لا الہ الا اللّٰہ** کا ایک بڑا موضوع ہے۔ شرک سے عداوت **لا الـہ الا الـلّٰہ** کی حقیقت کا جزو لاینفک

ہے۔ 'کلمہ پر محنت' محض اللہ کی چاہت اور طلب نہیں یہ بیک وقت باطل سے عداوت اور طاغوت سے بیزاری بھی ہے۔ اللہ کی چاہت جس قدر مرضی ہو اللہ کو چاہنا اور اللہ کو پانا آپ کی اپنی شروط پر نہیں۔ اُس کو خود اُسی کی شروط پر چاہا اور پایا جا سکتا ہے۔ اور اُس نے اپنی چاہت کیلئے غیروں سے بیزار ہونے اور غیروں کی عبادت ہو تو اس کو صاف صاف باطل کہنے اور اس کے خلاف سرگرم ہو جانے کی شرط لگا دی ہے اور اپنے رسولوں کی زبان پر اپنی اس شرط کو بہت ہی واضح کر دیا ہے بلکہ خود 'کلمہ' کا ہی اس کو ایک حصہ بنا دیا ہے:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغي فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ الاانفصام لھا واللہ سمیع علیم

(البقرۃ:۲۵۶)

''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط وگمراہ خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے (عروۂ وثقیٰ) ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (جس کا اس نے سہارا لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے''۔

چنانچہ **لا الہ الا اللہ** کسی بات کا پرجزم اقرار ہے تو کسی بات کا کھلا کھلا انکار بھی ہے۔ یہ غیر اللہ کی عبادت کی ___ ملک اور معاشرہ میں ___ رائج جتنی شکلیں اور صورتیں ہیں ان سب کا ایک غیر مبہم انکار اور بسا اوقات تو نام لے لے کر بطلان ہے۔ یہ اللہ کی بندگی قبول کر لینا ہی نہیں بلکہ لات اور عزیٰ کا پرزور اور مدلل اور مسلسل رد بھی ہے۔ اس کلمہ کی اپنی حرمت کا تقاضا نہ ہوتا تو ہم یہ کہنے کی کبھی جرأت نہ کرتے کہ جو شخص 'کلمہ' کے اس (نفی واثبات والے) مفہوم کو ابھی نہیں سمجھا وہ 'کلمے' کو ابھی نہیں جان پایا۔

وہ 'مسلم شخصیت' جس کو آج ہمیں اپنے نوجوانوں میں برآمد کرنا ہے یہ وہ شخصیت نہیں جس کا کوئی ایک حصہ مرا ہوا ہو۔ **لا الہ الا اللہ** کو، نفی واثبات، اپنے دونوں پہلوؤں سے اس شخصیت میں بولنا ہے اور اپنے زمانے سے مخاطب ہونا ہے۔ یہ دنیا جو عرصہ

ہو اب جاہلیت کی اسیر ہے یقیناً اس مسلم شخصیت کو، جو لا الہ الا اللہ کی جامعیت رکھتی ہو، دیکھنے کا حق رکھتی ہے۔

'محمد رسول اللہ' پھر ایک اور حقیقت ہے جو دین کے اہم ترین حقائق میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ یہ شہادت کا جزو دوئم ہے مگر ایک لحاظ سے یہ دین کی اہم ترین حقیقت ہے۔ اللہ کی سب صفات، ایمان کے سب حقائق، اسلام کے سب فرائض، برزخ و آخرت کے سب احوال اور اهوال...... غیب کی سب خبریں جن کو جاننا ہمارے بس میں ہے ہمیں محمد ﷺ کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ پورے دین کی حقانیت کا انحصار اس ایک جلیل القدر شخصیت کی سچائی پر ہے۔ سب اہل زمین کا آسمانوں سے رشتہ اسی ایک شخصیت کے ناطے سے جڑتا ہے۔ گویا ایک شخصیت ہے جو اتنا بھاری بوجھ تھام کر کھڑی ہے۔ اللہ کی جانب سے ایک ایک لفظ کی ذمہ داری، ایک ایک بات پورے ضبط اور دقت سے پہنچا دینے کی ذمہ داری، کرۂ ارض پہ بسنے والے ہر ہر شخص کو سمجھ آسکنے والی بات کرنے کی ذمہ داری، کھرب ہا کھرب انسانوں کی عبادت کے درست ہونے کی ذمہ داری...... سارا بوجھ ایک ہی شخصیت اٹھائے ہوئے ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ 'محمد رسول اللہ' کا اقرار کرتے وقت ہم اتنے بڑے بڑے حقائق اور اسکے علاوہ بہت کچھ کا اقرار کر رہے ہوتے ہیں!

اس لحاظ سے یہ شخصیت، یعنی محمد ﷺ، ایک مومن کیلئے دُنیا کی اگلی پچھلی اور موجود سب شخصیات سے یکسر مختلف اور جدا ہے۔ اس شخصیت کے ایک ایک لمحے کا ادراک عبادت ہے۔ پھر یہ ایک ایسی جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت ہے کہ جس کا احاطہ تو کیا اندازہ ہونا بھی مشکل ہے۔ اس شخصیت کو اس کے مختلف پہلوؤں سے دیکھنا اور دیکھتے رہنا، چاہنا اور چاہتے رہنا، اور اس پر دل وجان سے فدا ہونا، اور اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنا ایمان ہے۔ اس ہستی کو جاننا دین کا باقاعدہ حصہ ہے۔ اس کو بغور ملاحظہ کرنا، اس سے تعارف پانے کی کوشش میں زندگی کا ایک حصہ صرف کرنا، اس کی صحبت کی سب ممکنہ صورتیں اختیار کرنا......

سب دین ہے۔ اس کی رسالت کے دلائل اور شواہد جاننا، اس کی صداقت اور حقانیت کو اس کے مختلف علمی، شعوری، منطقی اور وجدانی پہلوؤں سے جاننا اور ماننا ایمان کی اساس ہے۔ اس کی رسالت اور اس کے مشن کا لب لباب جاننا ہر فرض سے پہلا فرض ہے۔ دین کے حقائق میں سرفہرست یہی بات ہونی چاہئے کہ محمد ﷺ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور دُنیا سے محمد ﷺ کا کیا مطالبہ ہے۔ اس ہستیؐ کی بعثت کا مقصد، اس کی حکمت، اس کی غایت، اس کی ضرورت، اس کی معنویت، تاریخ میں اس کا مقام، زمانے کو اس کی احتیاج، انسانیت کی اس کے بغیر درماندگی اور بدبختی ......سب ایمان کے موضوعات ہیں۔

یہ سب موضوعات جب اس مسلم شخصیت کی تشکیل کریں گے اور جب مسلم فردان سب حقائق کا عکاس ہوگا اور یوں اپنے نبیؐ کو اپنے زمانے کا موضوع بنائے گا تو زمانہ اور معاشرہ اپنے اندر ایک نئی تبدیلی محسوس کرے گا۔

پھر جس طریقے سے اللہ کی بھیجی ہوئی اس برگزیدہ شخصیتؐ نے اپنے مشن کا آغاز کیا، جس طرح اور جس انداز میں اور جس ترتیب سے اور جس خوبصورتی سے اور جس صبر وہمت سے اپنے مشن کو پیش کیا، جس جس طرح اس کو آگے بڑھایا، جیسے جیسے اس راستے میں وقت جھیلے، جو جو مرحلے سر کئے اور جس طرح اس مشن کو سرے چڑھایا اور پھر جو کام اپنے پیچھے ہوتا رہنے کیلئے چھوڑا...... یہ بھی وہ سب حقائق ہیں جن کو ایک مسلم فرد کے قلب وذہن میں گہرا اتر کر، اور اس مسلم فرد کی بہت ساری توجہ اور وقت لے کر، پھر اپنے دور کے واقعات سے تفاعل اختیار کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ دُنیا میں کس چیز کو گرانے اور ختم کرانے آئے ہیں اور کس چیز کو اٹھانے اور قائم کرانے آئے ہیں، اس سوال کا جواب دے لینا یوں سمجھیے دین کی تمام تر حقیقت پالینا ہے۔ اس سوال کا جواب کچھ الفاظ یاد کر لینے یا سنا لینے سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو سمجھیے پوری عمر کی کمائی ہوگی...... کہ مسئلہ الفاظ سے بڑا ہے۔ یہ تو جہان کے برگزیدہ ترین حقائق کو ایک دل میں مجتمع کرنا ہے۔

محمد ﷺ کی شخصیت کے سب جوانب کو حتی الوسع جاننے کی ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایک باقاعدہ کوشش کرنی ہے اور باقاعدہ اپنے آپ سے سوال کرنا ہے کہ کون کونسے لعل وجوہر یہاں سے اس کے ہاتھ لگے۔ یہ خاص اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمیں اپنے دور میں بھی دراصل 'شخصیت' کو پیدا کرنے اور معاشرے میں لے کر آنے کا ہی چیلنج درپیش ہے۔ ہمیں بھی نبیؐ کی صورت میں اللہ نے سب سے پہلے شخصیت ہی سے متعارف کرایا۔ ایک ایسی شخصیت جو قرآن کی مجسم حقیقت تھی۔ بقول عائشہؓ: **کان خلقه القرآن**! لہٰذا اب اس شخصیت کا پرتو بننے کی ہی کوشش ہمیں کرنی ہے۔

نبی ﷺ کی شخصیت کا پرتو بننے کی کوشش......اور ظاہر ہے کہ کوشش ہی ہوسکتی ہے اور کوشش ہی کا حکم ہے ورنہ اتنی بڑی شخصیت آپؐ کی ذات بابرکات کے سوا کہاں سما سکتی ہے..... مگر ہمارے یہاں ایک بڑا مسئلہ اس شخصیت کو پورا نہ دیکھنا ہے۔ 'سیرت' یا 'حدیث' میں عموماً ہماری نظر چند ظواہر پر جاتی ہے اور ہم اسی کو 'سنت' کا کل مفہوم جان بیٹھتے ہیں۔ محض 'عقیدت' سے رسولؐ کی شخصیت ذہنوں میں بڑی نہیں ہوسکتی۔ اس شخصیت کو اپنے زمانے میں لانا جس طریقے سے ممکن ہے وہ ہے آپؐ کی شخصیت کے بڑے بڑے جوانب کو اور ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ جوانب کو اپنے تصورِ دین کی بنیاد بنانا۔

پھر اس ہستی ﷺ کا تعارف اور اس کے مشن کا ادراک اس کے تربیت یافتہ صحابہؓ اور اس کے رفقائے کار کو جانے بغیر ممکن ہی نہیں۔ بلکہ خیر القرون کی شاگردی اختیار کئے بغیر ممکن نہیں۔ قرونِ ثلاثہ جنہیں دورِ سلف بھی کہا جاتا ہے، اور جو کہ تاریخ عالم پر اس برگزیدہ ہستی ﷺ کے واضح ترین نشانات انگشت کا درجہ رکھتے ہیں، کو بعد کے ادوار کی نسبت کیا کیا امتیاز حاصل ہے..... صحابہ و تابعین و اتباع تابعین کا فہم اور عقیدہ اور منہج عمل، کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے ان کا تمسک، اور پھر فتنوں کے آڑے آنے اور بدعات واھواء وانحرافات کی بیخ کنی کرنے میں ان کا بعد والوں کی نسبت منفرد ہونا اور شدید ہونا اور دوٹوک ہونا، ایمان اور اتباع کے معاملہ میں آنے والی نسلوں کیلئے ان کا خوبصورت ترین مثال ہونا،

اور تہذیبی قدروں اور سماجی رویوں تک میں ان کا اسوہ اور نمونہ ہونا...... یہ سب وہ حقائق ہیں جو اپنے اس دور کے اندر اسلام کے مطلوب ذہن اور مطلوب فرد کی صورت گری میں کلیدی حیثیت رکھیں گے اور جن کے بغیر 'مسلم شخصیت' کی وہ تصویر مکمل نہ ہوگی جو اس آنے والی تبدیلی کیلئے ناگزیر ہے۔

پھر مسلم امت کے عروج وزوال کا گراف نظر میں کرنا...... فتنوں کی تاریخ جاننا...... عقیدہ وعمل کی بدعات اس امت میں کیسے آئیں، کیونکر پھیلیں، بدعات کے ہاتھوں امت کی تاریخ میں کیا کیا گل کھلے، آدمی کو یہ سب کچھ معلوم ہونا...... بدعات کی درجہ بندی اور ان میں بد سے بدتر کے تعین کا پیمانہ جاننا...... بدعتی رجحانات کا سامنا کرنے کے معاملے میں اہلسنت کی فقہ جاننا...... اہل بدعت سے مختلف حالات اور مختلف صورتوں میں تعامل اور برتاؤ اختیار کئے جانے کی بابت سلف کا منہج جاننا...... امت کے مختلف طبقے بیرونی موثرات سے کیونکر اثر لیتے رہے، اس سے متعلق فکری اور واقعاتی اور عملی اور عمرانی حقائق سے آگاہ ہونا اور اس کی بابت ائمۂ سلف کے طرز عمل سے باخبر ہونا......

علاوہ ازیں عیش پسندی، تن آسانی، مہزومیت اور پھر فسق وفجور کے ہاتھوں مسلم معاشروں کی حالت بگڑنے کے متعلق خدائی سنتوں اور تاریخی وقوعوں سے واقفیت پانا...... اور قوموں کو ناکارہ اور تباہ کردینے والی سماجی بیماریوں اور پسماندگی ومفلوک الحالی سے دوچار کردینے والے معاشرتی رویوں کی بابت عمرانی حقائق سے خبردار ہونا......

علاوہ ازیں امت اسلام کے دشمنوں کی تاریخ سے زیادہ سے زیادہ آگاہی رکھنا اور اس دشمن کی فطرت اور مزاج سے واقفیت پانا اور اس کی سنگینی کا اندازہ رکھنا......

پھر خود اپنے دور کے فتنوں، اپنے دور کی بدعات، اپنے دور کے انحرافات، اپنے دور کی گمراہیوں اور ضلالتوں، اپنے دور کی گمراہیوں کے سرغنوں، اور اپنے دور کے اسلام دشمنوں اور ان کی دشمنی کی نوعیت اور فطورت اور ان کے ہتھکنڈوں کی حقیقت سے آگاہ ہونا......

پھر اپنے دور کی جاہلیت کو اس کی حقیقت کے ساتھ دیکھنے کی صلاحیت پانا، پرانے دور کے بتوں کا نصابی انداز میں تذکرہ کرتے رہنے کی بجائے اپنے دور میں اللہ کے ساتھ ہونے والے شرک کی سب صورتوں اور شکلوں اور مظاہروں سے واقفیت پانا، باطل کو ہر بھیس اور ہر چولے میں صاف پہچان لینے کی صلاحیت پانا اور اپنے دور کے اچھے اور برے پہلوؤں سے بیک وقت آگاہ ہونا......

یہ سب کچھ اس مطلوبہ ذہن اور اس مطلوبہ شخصیت کی صورت گری میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے جو تبدیلی کے مطلوبہ عمل کیلئے شدید ناگزیر ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ 'تبدیلی' یہی ہے۔

☆☆☆☆☆

عقیدہ کی پیدا کردہ شخصیت

دین کے حقائق، پھر دین کے فرائض، اور پھر دین کے مستحبات ومندوبات سے ان کی تکمیل اور تزئین اور آرائش...... اسلام کے مطلوب فرد کو وجود میں لانے کی یہی ترتیب ہے۔

فرد کی تیاری ہی کی بات نہیں، اسلام کو اس کی حقیقت کے ساتھ لے کر معاشرے میں اترنے کا بھی یہی طریق کار ہے۔

سب سے بڑھ کر اہم تو یہ ہے کہ ایک بات یا ایک عمل کا خدا کے ہاں مقبولیت پانے کا امکان زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے۔ اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اعمال کو خدا کی معرفت اور اس کے حقوق کے علم اور اس کے 'دین کی حقیقت' پر مبنی ایک بصیرت کا نتیجہ بنایا جائے۔ عمل کی قبولیت اسی طرح بڑھتی ہے۔ 'اعمال' میں اصل جان خدا سے آگاہی پا کر آتی ہے۔ خدا کو جاننے اور خدا سے آگاہ ہونے کی کوئی حد نہیں لہٰذا قبولیت کی بھی کوئی حد نہیں۔ جبکہ دنیا میں بھی، امید ہے، ایسے ہی عمل کا سب سے بڑھ کر اثر مرتب ہوگا۔ لہٰذا مسلم شخصیت میں اصل تبدیلی یہ ہوگی، اور اسی پر تحریکوں کو زیادہ جان کھپا دینا ہوگی، کہ آدمی کے سب انفرادی واجتماعی اعمال خدا کو جاننے کا نتیجہ ہوں...... یا یوں کہیے خدا کو زیادہ سے زیادہ جاننے کا نتیجہ ہوں۔ 'عمل' کی تہہ میں 'دین کی حقیقت' زیادہ سے زیادہ پڑی ہو۔ ایسے افراد پر مشتمل تحریک ہی اس دور کی ضرورت ہوگی اور ایسی ہی تحریک ایک بڑی تبدیلی لے آنے پر ___ ان شاء اللہ ___ قدرت رکھے گی۔

چنانچہ قبولیت میں اس عمل کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا ہے جو زیادہ سے زیادہ علم کا نتیجہ ہو...... اور وہ بھی دین کی اساسیات کا علم جس کی ابتدا خدا کی ذات اور خدا کے حق سے ہوتی ہے۔

امام بخاری، جن کے بارے میں معروف ہے کہ ان کی فقہ ان کے تراجم ابواب (یعنی احادیث پر باب باندھتے وقت ان کے اختیار کردہ الفاظ) میں ہے، اپنی صحیح بخاری کے کتاب الایمان میں ایک باب یوں باندھتے ہیں اور پھر اس کے نیچے حدیث لاتے ہیں:

باب قول النبی صلی اللّٰہ وسلم: أنا أعلمکم باللّٰہ، وأن المعرفة فعل القلب لقول اللّٰہ تعالیٰ: ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم

حدثنا محمد بن سلام قالنا ناعبدة عن ھشام عن أبیه عن عائشة، قالت: کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا أمرھم أمرھم من الأعمال بما یطیقون. قالوا: إنا لسنا کھیئتک یا رسول اللّٰہ ان اللّٰہ غفرلک ما تقدم من ذنبک وما تأخر، فیغضب حتی یعرف الغضب فی وجھهٖ ثم یقول: إن أتقاکم وأعلمکم باللّٰہ أنا (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب ۱۱)

''باب: نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ: میں تم میں سب سے زیادہ خدا کی آگہی رکھنے والا ہوں، اور یہ کہ معرفت (یعنی پہچان اور آگہی) دل کا باقاعدہ عمل ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ملتی ہے: ''مگر وہ تمہارا مواخذہ اس چیز پر کرے گا جو تمہارے دلوں نے کمائی ہو''۔

''ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدہ نے ہشام سے اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عائشہؓ سے روایت کیا۔ عائشہؓ کہتی ہیں:

''اعمال کی بابت رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ لوگوں کو اس بات کا حکم دیتے جس کے کرنے پر وہ طاقت رکھتے ہوں۔ صحابہ عرض کرتے: اے اللہ کے رسول! ہمارا معاملہ کوئی آپ جیسا تھوڑی ہے آپ کے تو اللہ نے تمام اگلے

پچھلے قصور معاف فرما دیے ہیں! تب آپؐ غضبناک ہو جاتے یہاں تک کہ غضب آپؐ کے چہرے پر محسوس ہونے لگتا، تب آپؐ فرماتے: تم میں سب سے زیادہ تقوی رکھنے والا اور تم میں سب سے زیادہ خدا کی آگہی رکھنے والا میں ہوں“۔

ایسا ہی جواب رسول اللہ ﷺ کا بعض دیگر احادیث میں مروی ہے جن میں ذکر ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہؐ کے معمولات آپؐ کی ازواج مطہرات سے جاننا چاہے۔ تب ان کو آپؐ کی عبادت گزاری کا معمول توقع سے ذرا کم لگا تو انہوں نے اس کی توجیہ یہ کرنے کی کوشش کی کہ خدا نے آپؐ کے اگلے پچھلے سب قصور معاف کر دیئے ہیں پھر آپ کے معمول سے ’زیادہ‘ جو انہوں نے اپنے لئے تجویز کرنا چاہا تو وہ یہ تھا کہ نہ وہ بیاہ کریں نہ کبھی روزہ چھوڑیں اور نہ کبھی رات کو آنکھ لگا کر دیکھیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی سخت ردعمل کا اظہار فرمایا اور اس کی ایسی ہی توجیہ کی۔ یعنی یہ کہ آپؐ اللہ سے سب سے زیادہ آگاہ اور اللہ سے سب سے بڑھ کر ڈرنے والے ہیں۔

متعدد علماء نے اس سے استدلال فرمایا ہے کہ عمل کی اصل قیمت اس کا سنت کے مطابق اور سنت کی حدود کے اندر اور سنت کی فضا میں ہونا ہے۔ علما نے یہ خوبصورت استدلال بھی اس حدیث سے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل جو بظاہر کسی کو کم لگا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں تو اس کی توجیہ کی مگر خود اپنے لئے اس سے زیادہ کر کے اپنی کمی دور کرنا چاہی تو اس کو یہ معلوم کرایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کا اصل وزن یہ تھا کہ وہ خدا کی زیادہ معرفت کا نتیجہ تھا۔ اللہ کو زیادہ جاننا، اس کے حق سے زیادہ آگاہ ہونا، اس کی عظمت سے زیادہ واقف ہونا، اس کی حدود کا زیادہ علم رکھنا اور پھر اس سے زیادہ ڈر کر رہنا ہی عمل کی قبولیت میں ایک بڑا اعتبار ہے...... نہ کہ عمل کا حجم یا عمل کی کثرت!

حقیقت تو یہ ہے کہ خود یہ اللہ کا ڈر بھی اس کو جاننے کا ہی نتیجہ ہے۔ اللہ سے ڈرنا محض کسی طاقتور سے ڈرنا نہیں، جیسا کہ علم کی کمی کی وجہ سے بعض لوگ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ’خشیت‘ خدا کا ایک ایسا ڈر ہے جس میں اس کی تعظیم بھی ہے، احترام بھی، اس کے عدل کا

اقرار بھی اور اس کے علم کا اندازہ بھی، اس کا رب اور مالک ہونے کا تصور بھی، عبادت اور اطاعت اور اذعان پر اس کا مطلق حق ہونا بھی اور پھر اس کا مالک جبروت ہونا بھی۔ غرض 'خشیت' دل کی جس حالت کا نام ہے اس کے پیچھے اللہ کی صفات اور اللہ کی حدود کا ایک پورا تصور ہے۔ 'خشیت' کا اصل راز پس خدا کا علم رکھنا ہے اور اس اندازہ ہی کا علم بڑھانا اور بڑھاتے چلے جانا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (فاطر:۲۸)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں''۔

قرآن مجید میں ''آمنوا وعملوا الصالحات '' کی بے حد تکرار ہوتی ہے جس سے بخوبی یہ مطلب نکلتا ہے کہ عمل کو زیادہ سے زیادہ ایمان کا نتیجہ ہونا چاہیے اور 'ایمان' دراصل ایک انتہائی برگزیدہ حقیقت کو جاننے اور ماننے کا نام ہے۔ اس جاننے اور ماننے کو کوئی خاص حد متعین نہیں۔ آدمی جتنی ہمت رکھتا ہے اتنا اس میں اضافہ کر سکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے عمل میں زیادہ سے زیادہ جان پڑتی ہے۔

فرد کی تعمیر میں اس بات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ 'عمل' سے پہلے ہمیں اس چیز کی طلب ہوگی جو اس 'عمل' میں بول سکے اور اپنا آپ محسوس کرا سکے اور جو کہ علم اور ایمان ہے۔

☆☆☆☆☆

چنانچہ 'فرائض' کی دعوت یقیناً ایک مستحسن امر ہے۔ یہ 'وظائف' اور 'فضائل' کی دعوت پر یقیناً ایک فضیلت رکھتی ہے۔ حتی کہ ایک فرد یا گروہ کی اپنی اہلیت یا استطاعت کے پیش نظر، یا پھر وقت کی ضرورت کا پاس کرتے ہوئے، دین کے بعض فرائض کی دعوت دی جائے تو وہ بھی یقیناً ایک مستحسن امر ہے۔ خواہ یہ تبلیغ کا فرض ہو، خواہ قتال کا، خواہ اسلامی ریاست کے قیام کا، خواہ حقوق العباد کا فرض ہو، خواہ معاشرہ سے سماجی برائیوں اور معاشرتی بیماریوں کو ختم کرنے کا، خواہ مسلمانوں کو اس مادی پسماندگی سے نجات دلانے اور سائنس

وٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھانے کا، اور خواہ مسلمانوں کے معاشی حالات درست کرنے کا...... طریق کار کی تفصیلات سے قطع نظر یہ سب 'نوافل' اور 'مستحبات' نہیں بلکہ یہ دین کے اس وقت کے بڑے بڑے فرائض ہیں جو اس دور میں ایک عرصے سے ادھورے پڑے ہیں اور ان کے یا ان میں سے بعض کے قیام کی دعوت بلاشبہ مطلوب ہے اور یہ سب کچھ خیر میں ہی شمار ہوتا ہے......

مگر ایک ایسے گروہ کی کمی اس سے کہیں بڑی ہے جو لوگوں پر ان کے دین کی حقیقت واضح کرے۔ انکو 'ایمان' کی تعلیم دے اور ایک تحریکی انداز میں ان کو دین کے حقائق سے آشنا کرے۔ یہ کمی پوری ہونے لگے تو ہم سمجھتے ہیں صورتحال میں ایک بہت بڑی تبدیلی آپ سے آپ رونما ہو جائے گی اور دین کے فرائض کا قیام جو پہلے سے کسی نہ کسی حد تک عمل میں آ بھی رہا ہے، اور جس کو روک دینا ہمارا مقصود نہیں، اس میں بھی خود بخود جان پڑ جائے گی۔ فرائض دین کے یہ جتنے شعبے اس وقت کام کر رہے ہیں یہ سب ترقی کریں گے۔ تب دین کے متروک فرائض کے اور بھی زیادہ سے زیادہ شعبے کھلیں گے۔ امت کے کام کو آگے بڑھانے کیلئے جو صلاحیتیں درکار ہیں تب ہم ان کی نشو ونما بڑے آرام سے کرنے لگیں گے...... اور ہمارا یہ دور، جو کہ ہے ہی ہمارا منتظر، اپنی ضرورت پوری ہوتی ہوئی پائے گا۔

'عقیدہ کا پیدا کیا ہوا فرد' یوں سمجھیے سب منصوبوں میں جان ڈال دے گا۔

☆☆☆☆☆

'تربیت' دراصل 'انسانی مصنوعات' (human products) تیار کرنا ہے۔ یہ تربیت کی ایک اچھی تعریف ہو سکتی ہے۔ 'مصنوعات' کی بابت بہت سے قوانین کا اطلاق اس 'صنعت' پر بھی ہوگا۔ چیز اگر صرف وہی پیدا کی جائے جس کی پہلے سے مانگ ہے تو پھر کوئی نئی چیز دنیا کے اندر معرض وجود میں آ ہی نہ سکتی۔ مگر دنیا میں کسی نئی چیز کے سامنے آنے کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ البتہ ایک نئی چیز کو سامنے لانا ہے جان جوکھوں کا کام۔ اور یہی بات تفکیر طلب ہے۔

اس وقت پوری دنیا ایک ہو چکی ہے۔ آپ اگر کچھ سامنے لانے کی پوزیشن میں ہیں تو اس کا یہی وقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ دنیا کو دے کیا سکتے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہونا چاہئے جو ہماری قیادتوں، ہمارے اساتذہ اور ہمارے مربیوں کی راتوں کی نیند حرام کر دے۔ یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ دنیا کے جب ایک ہونے کا وقت آئے تو امت اسلام دنیا کے سامنے کچھ لا ہی نہ سکے اور یہ پوری امت اس دور میں بس 'صارفین' کا ایک مجموعہ ہو اور 'درآمدات' پر اور یا پھر دنیا سے کٹ کر رہنے پر ہی یقین رکھتی ہو!

شاید خدا کو، بوجوہ، ایسا منظور نہیں کہ مسلم امت دنیا میں بس سائنس اور ٹیکنالوجی کی امام ہو یا 'پلاسٹک کی چیزیں' بنانے میں ہی نام پیدا کرے۔ کبھی ایسا ہو جائے تو اس میں حرج کی بات نہیں بلکہ ایک درجے میں یہ بھی بے حد مطلوب ہے مگر یہ اس وقت امت کا اصل میدان نہیں۔ جب اس کو ایسی کوئی حیثیت حاصل ہو بھی جائے تو اس کی یہ ایک بہت ہی ثانوی پہچان ہوگی۔ پھر آپ کی اصل پہچان کیا ہونی چاہیے؟ دنیا کو دینے کیلئے اور دنیا میں کوئی نام پانے کیلئے آپ کے پاس کیا ہونا چاہئے؟ یا آپ کے خیال میں کسی پہچان کے بغیر بھی آپ کو قوموں اور امتوں اور نظریوں میں ایک اعلیٰ مقام ملنا چاہئے!؟ بالفرض آپ کو ___ کسی نہ کسی طرح ___ دوسری امتوں پر فی الفور کوئی فوجی برتری یا سیاسی اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تب بھی 'فوجی برتری' یا 'سیاسی اقتدار' آپ کا امتیاز اور آپ کا تخصص تو نہیں ہو سکتا! فوجی برتری یا سیاسی اقتدار تو با مقصد لوگوں کے ہاں محض کسی ہدف کو بروئے کار لانے کیلئے ہوتا ہے۔ برتری یا اقتدار خود تو کوئی ہدف نہیں۔ یہ تو ایک وسیلہ ہے۔ غایت تو کچھ اور ہونی چاہئے۔ اب یہ جس چیز کو ہم نے 'ہدف' یا 'غایت' کہا، کچھ محنت آخر اس پر بھی تو ہو۔ کم از کم اس بات کا تعین ہی ہو کہ اپنا ہدف اور غایت کیا ہے اور وہ کہاں تک ہماری جدوجہد کا موضوع ہے!

'غایت' جب ہماری سوچوں کا اصل محور بن جائے گی تب جا کر ہی 'وسائل' اس کی خدمت کا موثر ذریعہ بن سکیں گے۔ 'غایت' اگر ہمارا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں

موضوع نہیں بنتی اور 'وسائل' ہی ہمارا بڑا موضوع بنے رہتے ہیں تو پھر معاملے کی ساری ترتیب الٹ جائے گی۔ تب 'غایت' تک پہنچنے کیلئے اختیار کئے جانے والے 'وسائل' اور 'ذرائع' ہی خود غایت بن جائیں گے اور 'غایت' بیچاری یا تو کہیں روپوش ہو جائے گی اور یا پھر اگر ذکر میں آتی بھی رہی تو اس کا ذکر کیا جانا 'وسائل' ہی کی خدمت ہو گا! تب اس کا ذکر ہو تو نقصان دہ اور بالکل ذکر نہ ہو تب نقصان دہ۔ یہ نتیجہ اس بات کا ہوتا ہے جب کسی قوم کی اصل غایت اور مقصدِ وجود اس کا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں موضوع نہ رہے۔ خصوصاً اپنے وقت کی آسمانی امت تو اس بات سے شدید نقصان اٹھاتی ہے کیونکہ وہ تو ہوتی ہی کسی ایک خاص غایت کیلئے ہے اور اس کے بغیر وہ بے کار ہوتی ہے، جیسا کہ ایک بڑی سطح پر ہم نے اپنے دور میں یہ بات دیکھ بھی لی ہے۔

چنانچہ قوموں کی اس دوڑ میں جواب بے انتہا تیز ہو گئی ہے...... بطور قوم آپ کو دیکھنا ہو گا کہ آپ کا اصل امتیاز اور اصل تخصص کیا ہو سکتا ہے جس کی بنیاد پر آپ اپنی قوم کو ترقی دیں اور اسی کی بنیاد پر اپنا کوئی نام پیدا کریں۔ اس بات کا علی وجہ البصیرت تعین کرنا ہو گا کہ قوموں کی اس بھیڑ میں بلکہ آج کی اس مقبوضہ دنیا میں، جس پر کچھ بے رحم سانپ کنڈلی مار کر بیٹھے ہیں، آپ کیلئے آگے بڑھنے کا کیا راستہ ہے اور قدرت کی طرف سے آپ کو کون کونسے امکانات حاصل ہیں جو اس صورتحال کا نقشہ تبدیل کرنے کی خاطر آپ کیلئے بنیادی سرمایے کی حیثیت رکھتے ہوں۔

کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ دنیا میں ایک اور طرح کا انسان پیدا کرنے لگیں...... ایک ایسا انسان جس کا ان مادہ پرستوں اور سرمایہ پرستوں کے پاس کوئی توڑ نہ ہو اور جو مقدور بھر مادی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے ہتھیار بھی پاس رکھتا ہو جس کا مقابلہ مادی ہتھیاروں اور معاشی ہتھکنڈوں سے نہ ہو سکتا ہو!؟ برتری کی کوئی بنیاد تو آخر اپنے پاس ہو!

آپ کسی بھی حوالے سے ___ بطور قوم ___ جب ایک بار اپنی کوئی ساکھ بنا لیتے ہیں اور جب اس کی بنیاد پر آپ خود اپنی نظر میں قابل احترام ہو جاتے ہیں اور وہ چیز

آپ کی نظر میں اس قدر حرمت اور عظمت والی ہو جاتی ہے کہ بھوکے ننگے رہتے ہوئے بھی ___ بطور قوم ___ آپ اپنے اندر ایک اعتماد اور خودداری محسوس کرنے لگیں تو پھر دوسرے حوالوں اور دوسرے پہلوؤں سے بھی آپ کو اپنی بگڑی ہوئی ساکھ بنانے کے مواقع ہاتھ آ جاتے ہیں۔ تب یہ آپ کی ہمت اور حوصلہ مندی پر ہوتا ہے کہ آپ ان مواقع کا کیسا استعمال کرتے ہیں۔

مگر ہمیں تو خدا کے فضل سے 'کسی بھی حوالے سے' اپنی کوئی ساکھ بنانے کی کیا مجبوری ہے!؟ تھرڈ ورلڈ کی قومیں اس کیلئے پریشان ہوں اور اپنے سامنے اس بے رحم دنیا میں کوئی راستہ نہ پائیں تو ان کی مجبوری بنتی ہے۔ مگر ہمیں کیا پریشانی ہے؟ سب سے زیادہ باشعور، سب سے زیادہ حساس اور ذمہ دار، سب سے زیادہ نتیجہ خیز productive اور سب سے زیادہ حوصلہ مند ambitious انسان پیدا کرنے کی صفت تو ہمارے اپنے دین اور عقیدے میں ہے۔ اوروں کو یہ دنیا محض دنیا کیلئے تعمیر کرنی ہے اور ہمیں یہ دنیا اللہ کے نام سے اور آخرت کیلئے تعمیر کرنی اور حسین سے حسین تر بنانی ہے۔ یہ تو رہی جذبۂ عمل کی بات۔ پھر جہاں تک اقوام عالم میں کوئی نام پانے اور کوئی حیثیت رکھنے کی بات ہے تو ہمیں وہ بہترین حوالہ حاصل ہے جو اقوام عالم میں ہمیں ممتاز و ناموَر کر دے۔ یہ علم اور ہدایت کا حوالہ ہے۔ یہ انسان کو انسان بنانے کی صلاحیت ہے۔ یہ ایمان اور نور ہے جو ہمارا ___ یعنی وقت کی آسمانی امت کا، جس کا وجود ایک خاص خدائی مقصد کی تکمیل کیلئے ہوا کرتا ہے ___ لازمہ اور خاصہ ہے:

وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا وكانوا بأياتنا يوقنون
(السجدۃ:۲۴)

''اور جب ان لوگوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے''۔

وجعلنا منهم أئمة ......!

امامت ___ اگر ہم اپنی حقیقت کو پا لیتے ہیں اور کچھ محنت کر کے اپنے معاشروں کو بھی انکے اپنے آپ کی شناخت کرا دیتے ہیں ___ ہمارا ہی منصب ہے۔ خدا کی آیات اس وقت صرف ہمارے پاس ہیں۔ کیا یہ کوئی چھوٹا واقعہ ہے؟ خدا کی حقیقت ___ جس قدر کہ انسانی شعور کے احاطے میں آ سکتی ہے، صرف ہمارے پاس محفوظ ہے۔ نبیوں کا ورثہ ہم رکھتے ہیں۔ دنیا کی حقیقت ہم جانتے ہیں۔ دنیا کے سدھر جانے کا نسخہ صرف ہمیں بتایا گیا ہے جبکہ دنیا کو سدھر جانے کی ضرورت جتنی آج ہے صدیوں سے اتنی کبھی نہیں رہی۔ دنیا کو آخرت کیلئے سنوارنا اور آخرت کو اسی دنیا میں بنا لینا، یعنی ایک ہی وقت میں دو جہان تعمیر کرنا ہمارے دین کی حقیقت پانے کا انعام ہے۔ انسانی فطرت جس روشنی کیلئے پیاسی ہے اور جس کی پیاس میں یہ طرح طرح کے نظریوں اور ازموں کے پیچھے ماری ماری پھرتی ہے، اپنے نبیؐ کے ذریعے سے، وہ روشنی ہمیں سونپی گئی ہے......

لوہے اور دھات کی اشیاء بنانے کی صلاحیت بھی بے انتہا اچھی ہے اور اس میں نام پیدا کر لینا بھی نہایت مستحسن ہے مگر ہم تو انسان سازی کی صلاحیت بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

ذرا ایک بات پر غور فرمایئے......

اللہ تعالیٰ کو عربوں سے کچھ کام لینا تھا۔ بلاشبہ یہ قوم صلاحیتوں سے عاری نہیں تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی قوم بھی صلاحیتوں سے عاری نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں یہ صلاحیتیں ویسے کی ویسے پڑی رہتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ایک عرصہ تک عربوں کو کسی چیز میں کوئی نام پیدا کرنے نہیں دیا جاتا۔ اردگرد میں ہر قوم نام پیدا کرتی رہی مگر یہ بے نام ہی رہی۔ ترقی کے جو نسخے اور قوموں کو معلوم ہو جاتے رہے وہ ان کو معلوم ہو جانا آخر کونسی بڑی بات تھی۔ مگر 'نسخوں' سے کبھی کب بات بنتی ہے! چنانچہ 'ترقی' کے یہ سب نسخے اس تمام عرصہ عربوں سے روپوش ہی رہتے ہیں یا پھر یہ ان کے استعمال سے عاجز ہی رہتے ہیں اور برابر بے خانمائی کی زندگی بسر کئے جاتے ہیں۔ خدائی منصوبہ کی رو سے یہ

بھی دراصل ان کی مستقبل کی سرمایہ کاری investment تھی۔ یہ ان کا اپنا فیصلہ نہ تھا مگر یہ کسی کا فیصلہ بہرحال تھا۔ یوں بڑی دیر تک یہ قوم بے نمود ہی رہتی ہے...... تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو جاتی ہے اور انکو 'اسلام' مل جاتا ہے! اب اس بے نام قوم کا جو نام ہوتا ہے وہ ہر قوم سے منفرد اور جدا ہے اور ہر قوم کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ گویا یا تو کوئی نام ہی نہ تھا اور اب اگر نام ہوا تو وہ ہر نام سے سوا ہے! اب یہ بے خانما قوم اقوام عالم کی امام بن جاتی ہے کہ اس کو 'انسان سازی' کی صلاحیت دے دی جاتی ہے۔ علم، ایمان، ہدایت، روشنی سب اس کے نام کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اب جب اس میں یہ نام پیدا کر لیتی ہے اور یہی اس کا اصل میدان اور اس کا تخصص اور امتیاز بن جاتا ہے تو پھر یہ اور بھی ہر چیز میں نام پیدا کرتی ہے۔ ہر ہر چیز میں اوروں کو مات دیتی ہے۔ ہر میدان میں دنیا کی اور اقوام کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے مگر اس بے پروائی سے کہ ان میں سے کوئی بات بھی اس کا 'نام' نہیں بنتی! جیسے یہ اس کا بائیں ہاتھ کا کام ہو۔ دنیا اس کے دائیں ہاتھ میں کبھی نہیں دی گئی۔ اسکا دایاں ہاتھ دنیا لینے کیلئے بنا ہی نہیں!

سبحان اللہ!!! کیا تاریخ کا یہ ایک غور طلب واقعہ نہیں!!!

گویا جیسے خدا کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ جس قوم کو اس نے اپنی بندگی اور اپنی وحدانیت میں مثال بننے اور علم، ایمان اور ہدایت میں نام پیدا کرنے کیلئے بچا رکھا تھا اس کا اس نام کے سوا کوئی اور نام اور کوئی اور شہرہ ہو! اس سے پہلے یہ کوئی نام پیدا کر لیتی تو یہ اسی پر ناز کرتی یا کم از کم اسلام کے سوا بھی اس کے پاس ناز اور فخر کرنے کی کوئی بات ہوتی! سو اس کا سرے سے کوئی نام نہ ہوا اور جب ہوا تو وہ وہی تھا جو خدا کو پسند تھا اور جو اس کی شخصیت پر کچھ ایسا مناسب بیٹھا تو پھر اس کو اپنی پہچان کرانے اور اپنے ہنر دکھانے کے ہزار ہا حوالے حاصل ہوئے مگر اس ایک حوالے کے سوا جو اس کو اپنے دین سے ملا اور کوئی حوالہ بھی اس کی اس ہستی پر نہ جچ پایا! کوئی اور حوالہ دیا بھی جاتا تو اس کی ذات پر بہت اوپرا لگتا...... اس امت کو واقعتاً اتنی بڑی قامت نصیب ہو گئی تھی!

چنانچہ جب اس امت کی شخصیت بنالی گئی، اور یہ ایک ایسی زوردار شخصیت تھی کہ قوموں کی قومیں اس میں گم ہو جائیں تو نظر تک نہ آئیں سوائے اس حیثیت میں جو کہ خود اسی کا تقاضا ہو...... جب اس امت کو یہ ہستی نصیب ہوگئی اور خدا کی تنہا اور بلا شرکت غیرے بندگی ہی اس کا شہرہ اور اس کی شناخت بنا تو پھر دنیا کے دروازے، جو اب تک ایک منصوبے کے تحت بند رکھے گئے تھے، اس پر چوپٹ کھول دیئے گئے۔ فتوحات، اقتدار، ترقی، صنعت، حرفت، معیشت، تحقیق، ٹیکنالوجی، سائنسی انکشافات، تمدن، سماجی بہبود...... ہزار سال تک یہ امت ہر میدان میں جہان پہ برتری پا کر رہی۔ اور لطف کی بات یہ کہ ہر میدان میں یہ اقوام عالم پر سبقت پائے رہی بغیر اس کے کہ ان میں سے کوئی میدان، یا کوئی کارنامہ اس کی اصل پہچان بن سکے!

کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرانے جا رہی ہے؟ یہ امت، جس میں اب ہزاروں اقوام اپنی ماقبل اسلام تاریخ سے دستبردار ہو کر پوری طرح مدغم ہو چکی ہیں، آج رسول اللہ ﷺ کی قوم ہے اور آپؐ ہی کی نام لیوا۔ خدا اس کو بے آسرا چھوڑنے والا نہیں مگر اس کو وہ قیمت بہر حال دینی ہے جو خدا کی رحمت اور اس کے عدل کا تقاضا ہے۔ اب یہ پھر پچھلی کئی صدیوں سے مفلوک الحال اور بے نام ہے۔ اس کے 'سمجھداروں' نے اسکے دن پھر جانے کیلئے دنیا کے اصولوں پر بڑی بڑی زبردست اسکیمیں تیار کیں اور اس کو اپنے پیر پر کھڑا کرنے اور اس کی کوئی ساکھ بنانے کیلئے پورا زور لگایا مگر یوں گویا کچھ ہوا ہی نہیں! امیوں کی اس امت معاملہ کا دنیا کی 'پڑھی لکھی اقوام' سے جدا نکلا۔ کوئی چیز اس میں جان نہ ڈال سکی کیونکہ اس کی جان جس چیز میں ہے اس پر ___ کسی بڑی سطح پر ___ کوئی توجہ نہ دی گئی!

جغرافیۂ عالم کے وسط میں بیٹھی اور سب سے زیادہ انسانی اور قدرتی وسائل کی مالک یہ مفلوک الحال قوم کیا کسی خاص مقصد اور کسی خاص وقت کیلئے بچا رکھی گئی ہے!؟ اور کیا اس کی یہ صدیوں پر محیط بدحالی، جس کو دور کرنے میں اپنے ذہین لوگوں کی

ہر تدبیر الٹی پڑتی رہی، کیا پھر سے کسی مستقبل کی سرمایہ کاری تو نہیں!؟ کیا یہ بے نامی اس لئے تو نہیں کہ وہ سب نام جنہیں پا کر دنیا کی کچھ قومیں پھولی نہیں سماتیں اور جنہیں پانے کیلئے دنیا کی باقی قومیں دیوانی ہوئی جاتی ہیں اور خود اس کے نادان بھی جنہیں پانے کیلئے دیوانے ہوئے جاتے ہیں...... یہ سب نام اور مرتبے جو دنیا کیلئے منتہائے تخیل ہو سکتے ہیں اس امت کو البتہ ایک ثانوی حیثیت میں ہی مل سکتے ہیں!؟ جس کیلئے ضروری ہے کہ پہلے یہ اپنی اولین حیثیت کو سامنے لائے! گویا اس کا کوئی نام بن ہی نہیں سکتا سوائے ایک نام کے۔ یہ جب بھی 'نام' پیدا کرے گی تو وہ وہی ہوگا ورنہ یہ کوئی نام ہی پیدا نہ کرے گی! گویا قدرت کی طرف سے اس پر یہ شرط لگی ہے کہ پہلے یہ اپنا اصل امتیاز قائم کرلے تو پھر وہ سب امتیازات جو دنیا کو حاصل ہیں اور جنہیں دیکھ کر بہت سوں کی رال ٹپکتی ہے اس کو ایک مختصر ترین مدت میں اور بڑی آسانی سے حاصل ہو جائیں، جیسا کہ یہ اپنے ساتھ ایسا ہوتا پہلے دیکھ آئی ہے! گویا دنیا کو جو امتیازات حاصل ہیں وہ اس کو ملیں گے تو بدرجۂ اتم مگر اس حیثیت میں ملیں گے کہ اس کیلئے وہ 'امتیاز' نہ رہیں بلکہ اس کے لئے وہ ایک ادنی سی چیز ہو جائیں اس حال میں کہ 'اعلیٰ' چیز کا تصور اس کے ہاں کچھ اور ہو جائے۔ بصورت دیگر اس کو نہ یہ ملے اور نہ وہ! اعلیٰ کے بغیر ادنی پایا جائے تو ادنی ہی اعلیٰ بن جاتا ہے!

یہ اگر کوئی خدائی شرط ہے تو یہ عین عدل کا تقاضا ہے۔ دوسری قوموں سے اس کا معاملہ مختلف ہونا ہی چاہئے۔ خدا کا اس سے اگر کوئی وعدہ ہے تو اس کی کوئی قیمت بھی ہے۔ 'اعلیٰ' چیز اس کے لئے 'اختیاری' نہیں بلکہ 'لازمی' مضمون ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات!؟

اس امت کے حق میں ادنی کی طلب ہرگز بری نہیں۔ مگر اعلیٰ کے بغیر ادنی کی طلب اس کی شان سے فروتر ہے...... بلکہ یہ اس کے حق میں ایک بڑا جرم ہے اور اس کے دورِ انحطاط کی ایک دلیل بھی۔

فخلف من بعدھم خلف یأخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا (الاعراف:۱۶۹)

''پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اس دنیائے دَنیٰ کے فائدے سمیٹتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں 'اپنی بخشش ہو جائے گی'......''

کتنے تجربے، کتنی کوششیں، کتنے منصوبے اس قوم کی ترقی وخوشحالی کیلئے اور اقوام عالم میں اس کو کوئی بہت عظیم بھی نہیں بس ایک 'مساویانہ' اور آبرومندانہ' مقام دلانے کیلئے عمل میں لائے گئے...... اور پھر کتنے نظریات اور کتنے ازم آزمائے گئے اور کتنے نظام درآمد ہوئے مگر 'توفیق' تھی کہ شامل حال نہ ہوئی (وحرمنا علیه المراضع من قبل) شیر خوار موسی علیہ السلام کے لئے فرعون کے محل میں دودھ پلانے والیوں کی کیا کمی ہو سکتی تھی مگر ان کو کسی بھی عورت کا دودھ لینے سے روک دیا جاتا ہے...... کیونکہ 'ماں' کے پاس پہنچنے کا، خدائی منصوبہ کی رو سے، یہی طریقہ تھا! کیا اس امت کے ساتھ بھی قدرت کو کوئی ایسی ہی عنایت تو منظور نہیں!؟

عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم!!
وعسی أن تحبوا شیئا وھو شر لکم!!
واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون!!! (۱)

اب یہ 'نام' یا 'امتیاز' کیا ہے جو کسی امت یا جماعت یا قوم کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوتا ہے؟ یہ وہی چیز ہے جو اس کے ایک اوسط فرد کا وصف ہو سکے۔ چنانچہ 'نام' پیدا کرنے یا 'غایت' کا تعین کرنے سے ہمارا یہ مقصد نہیں کہ کوئی جماعت اچھے سے اچھے الفاظ میں اپنا

(۱) البقرۃ:۲۱۶ ''بہت ممکن ہے ایک چیز تم ناپسند کرو جبکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو!!
اور بہت ممکن ہے ایک چیز کو تم پسند کرو جبکہ وہ تمہارے لئے بری ہو!!
اللہ جانتا ہے، اور تم جانتے نہیں ہو!!!

کوئی 'منشور' لکھ دے۔ یہ تو وہ چیز ہے جس کو وہ اپنے ایک اوسط فرد کی شخصیت میں نمایاں کرنے پر محنت کرتی ہو۔ یہ محض نیکی اور جذبہ نہیں۔ یہ ایک عقیدہ کی پیدا کی ہوئی ہستی ہے۔ 'مسلم شخصیت' سے دراصل ہماری یہی مراد ہے۔

سب سے پہلے اسی 'مسلم شخصیت' کے میدان میں آنے کی ضرورت ہے۔ ہم نے بہت کچھ کیا مگر دنیا کو ابھی اس 'شخصیت' سے نہیں ملوایا جس سے یہ کوئی ہزار سال تک واقف رہی اور جس کے بارے میں یہ ابھی تک اپنی کتابوں اور تاریخوں میں بہت کچھ پڑھتی ہے اور جو کہ کبھی بھی اس کی نگاہوں سے پوری طرح روپوش نہیں ہوئی اور جس کے بارے میں ہم امید رکھتے ہیں کہ عملاً جب بھی یہ دوبارہ سامنے آئی تو دنیا کو اسے شناخت کرنے میں بہت دیر نہیں لگے گی!

ستم کی بات یہ کہ دنیا کا معاملہ تو اپنی جگہ رہا خود ہم میں سے بہت سوں کو اس مسلم شخصیت سے درست تعارف نہیں۔ وہ مسلم شخصیت جو ہزار سال تک دنیا کا سب سے بڑا واقعہ بنی رہی، کبھی ہمیں لگتا ہے کہ وہ 'فتوحات' کرنے والی شخصیت تھی جو کفار کو سبق سکھاتی اور قیصر وکسریٰ کے محلات لرزاتی تھی۔ کبھی ہمیں یہ لگتا ہے کہ یہ ایک 'اقتدار کی مالک' شخصیت تھی۔ کبھی ہمیں یہ لگتا ہے کہ یہ ایک زاہدانہ انداز میں وعظ اور تبلیغ کرتی شخصیت تھی ...... بلاشبہ یہ سب کچھ اور اس کے سوا بہت کچھ تھا مگر یہ شخصیت دنیا میں بالفعل کس چیز کا انعکاس تھی اور اس شخصیت کے اصل اجزائے ترکیبی کیا تھے اور یہ شخصیت کس چیز سے اور کس انداز میں وجود پاتی تھی، اس بات سے تعارف پانے کی خود ہم نے بہت کم کوشش کی۔

'مسلمان' کی وہ تاریخ ساز شخصیت جس سے ہمیں دنیا کو ملوانا ہے پہلے ہمیں خود بھی اس سے ملنا ہے۔ دنیا سے بڑھ کر یہ ہماری ضرورت ہے۔ یہ ایک ایسی شخصیت ہے جس کو ہزار وقت دیکھنا پڑ سکتے ہیں مگر اس کے اجزائے ترکیبی وہی رہتے ہیں جو وحی کے حقائق سے جنم پاتے ہیں۔ اصل چیز اس کی ہستی کی ساخت ہے۔ سب سے اہم بات اس شخصیت کے اجزائے ترکیبی ہی ہیں اور تجدید کی اصل غایت بھی یہی ہے کہ انہی اجزاء کو ان کی اصل

پوزیشن میں واپس لایا جاتا رہے۔ اس کے نشاط ہر دور میں اور مختلف حالات میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ جبکہ بیشتر لوگوں کو اس کے 'نشاط' پر ہی اس کی 'حقیقت' کا شبہہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو قتال کرتا دیکھ کر یا تبلیغ کرتا دیکھ کر یا اس کو اسلامی نظام قائم کئے ہوئے دیکھ کر وہ اسی بات کو 'مسلم شخصیت' کا اصل وصف سمجھ بیٹھتے ہیں جبکہ یہ اس شخصیت کا محض ایک مظہر ہوتا ہے۔ گو یہ اس کا ایک سچا مظہر ہوتا ہے مگر ہے یہ مظہر۔ یہ اسکا جزو ترکیبی نہیں۔ یہ اس کی حقیقت نہیں جو کہ اسے وجود میں لاتی ہے۔ 'مظاہر' کو 'حقیقت' سمجھ بیٹھنا ایک بڑی آفت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خود اس کی ہستی کا تعین ہو کہ یہ کیا ہے اور کیونکر رو پذیر ہوتی ہے۔

'اسلامی شخصیت' ایک ایسا واقعہ ہے جو وحی کے حقائق کے انسانی صورت دھار لینے سے جنم پاتا ہے۔ پیچھے کہیں ہم یہ بات کہہ آئے ہیں کہ مسلم امت یا مسلم شخصیت کا سب سے بڑا امتیاز اس کا کتاب اللہ کی نصوص سے برآمد ہونا ہے۔ یہی اصل محاذ ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ اس پر محنت کون کرتا ہے۔

یہ ہماری سب سے بڑی اور سب سے پہلی ضرورت ہے۔ ہم محکوم ہیں تب اور کبھی حاکم ہو جائیں تب، مغلوب ہیں تب اور کبھی غالب ہو جائیں تو تب، ہجرت کر رہے ہوں یا قتال، حکومت کرتے ہوں یا سرے سے مستضعف اور بے گھر ہوں ...... سب مرحلوں میں یہی ہماری اصل پہچان ہوگی۔ یہی وہ چیز ہے جس کو ہم نے اصل 'غایت' قرار دیا ہے اور جس کیلئے فوجی یا سیاسی برتری، دعوت یا تبلیغ، اتحاد یا اجتماع محض وسائل اور ذرائع کا درجہ رکھیں گے۔

سب سے اہم بات ہماری ہستی کا ___ ایک مطلوبہ سطح پر ___ وجود میں آنا ہے۔ رہ گیا پھر اس کے بعد ہمارا اجتماع تو اجتماعی سطح پر ہماری اصل غایت یہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے وجود سے اسلام کا وہ اصل مقدمہ دنیا کو سمجھ میں آنے لگے جو کہ اسلام کا اصل مفہوم اور اسلام کی اصل حقیقت ہے۔ قربانی ہے تو وہ اس کی راہ میں ہوگی۔ محنت ہے تو وہ اس کی راہ میں ہوگی۔ جان اور مال ہے تو وہ اس کی راہ میں صرف ہوگا اس سارے عمل

کو جہاد کہا جائے گا البتہ وہ چیز جو اس ساری محنت اور ان سب وسائل کے بہائے جانے کی اصل غایت ہوگی وہ یہی ہے......یعنی ہم وحی کے حقائق کا انسانی واقعہ ہوں۔ ہمارے ذریعے لوگ خدا کی حقیقت کو پائیں اور اس کی بندگی کا مفہوم جانیں۔ فتنہ اور باطل کی تمام صورتوں کا، جن میں شرک اور طاغوت کی بندگی سرفہرست ہے __ حتی الامکان__ خاتمہ ہو اور زمین میں پھیلے فساد کی اور فساد کی تمام صورتوں کی___ ممکنہ حد تک___ بیخ کنی۔

☆☆☆☆☆

''اعمال'' پر محنت

عبادات، بصورتِ فرائض اور بصورتِ نوافل، مومن نفس کی تشکیل میں ایک گہرا اثر رکھتی ہیں۔ دین کے بنیادی حقائق اور تصورات پر محنت کے بعد، تربیت کا یہی اہم ترین محاذ ہے، یعنی عبادات میں ریاضت......

'اعمال' یقیناً ایمان کا حصہ ہیں اور اسلام کی مطلوبہ شخصیت کا وجود میں آنا بلاشبہ 'اعمال' پر بھی منحصر ہے۔ اللہ کی پسندیدگی درستیِ اعتقاد، قوتِ یقین اور صحتِ طلب پر ملتی ہے اور پھر صالح اعمال پر۔ ''آمنوا وعملوا الصالحات'' کی تکرار کسی قرآن پڑھنے والے سے روپوش نہیں رہ سکتی۔ سنت اور سلف کے اقوال میں ''عمل'' پر بے حد زور دیا جاتا ہے اور 'علم بلا عمل' کی جس قدر مذمت اور وعید ملتی ہے وہ اندازے سے باہر ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عبادات اور اعمال کی بابت کچھ مزید امور ہم پر واضح ہو جائیں۔

یہ تو درست ہے کہ 'اعمال' پر محنت کا درجہ 'دین کے حقائق' پر محنت کے بعد آتا ہے، اور یہ بات ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، البتہ جو بات واضح کی جانا ابھی باقی ہے وہ یہ کہ 'اعمال' کا 'حقائقِ دین' کے بعد آنا بھی کوئی مستقل بالذات حیثیت میں نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ پہلے دین کی حقیقت پر محنت اور پھر اعمال پر۔ بلکہ 'اعمال' کے لئے ضروری ہے کہ وہ 'دین کی حقیقت' سے ہی جنم لے رہے ہوں۔

وہ محنت جو دین کی بنیادوں کو ازبر کرنے اور قلوب میں گہرا لے جانے پر کی اور کرائی گئی ہو خود وہی چیز، ضروری ہے کہ، 'اعمال' کو پیدا کرے۔ بصورت دیگر 'اعمال' ایک

تکلف ہوں گے اور ان کی حالت ایک غیر طبعی انداز سے باہر نہ ہوگی، یعنی اعمال اپنا وہ بے ساختہ وجود اور اسلوب نہ رکھیں گے جو کہ 'اعمال' کے وجود میں آنے کیلئے اصل سنت ہے، ویسے چاہے ان پر کتنی بھی محنت کیوں نہ کرا لی گئی ہو اور چاہے ان خاص اعمال کی حد تک سب کی سب 'سنتوں' کا بھی التزام کیوں نہ کرا لیا گیا ہو...... یہ چاہے نماز و قیام کا مسئلہ ہو، چاہے زکوٰۃ و صیام کا، چاہے ذکر واذکار کا، چاہے دعوت اور تبلیغ کا اور چاہے جہاد اور قتال کا، اور چاہے مسئلۂ پیش نظر ان اعمال کے ''فرض'' پہلوؤں کی بجا آوری ہو اور چاہے ان کے ''نفل'' پہلوؤں کی ادائیگی......

ہمارے یہاں ایک نیک طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جو 'اعمال' کی اہمیت پر بہت زور توجہ دیتا ہے اور 'دیندار' باور کیا جانے کا یہی تقاضا اور یہی معیار جانتا ہے۔ جبکہ ایک دوسرا نیک طبقہ ہے جو 'اعمال' کو 'سنت کے مطابق' ادا کرانے پر بے حد محنت کرتا ہے۔ ان سب نیک لوگوں کا اجر ان شاء اللہ یقینی ہے، مگر ضروری ہے کہ 'اعمال' کا صحیح تصور ہی پہلے واضح ہو اور 'اعمال کی تفصیلات' سے متعلقہ ''سنتوں'' سے پہلے اعمال کی 'پیدائش' کے معاملہ میں ''سنت'' تصور ہی تربیت دینے اور لینے والوں کے ذہن نشین ہو......

''سنت'' اول تو اس پوری ''تصویر'' کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں مسلم فرد اور مسلم جماعت اور معاشرے کی تشکیل کے معاملہ میں وجود کے اندر لائی گئی۔ اس میں 'عقائد' بھی آتے ہیں اور 'اعمال' بھی۔ 'فرائض' بھی اور مستحبات و نوافل بھی۔ افعال بھی اور رویے بھی، حقوق بھی اور واجبات بھی، 'عبادات' بھی اور 'معاملات' بھی۔ 'مسائل' بھی اور 'تعلقات' بھی۔ غرض ''سنت'' ایک فریم ہے جس میں کوئی عمل، کوئی عقیدہ، کوئی عبادت اور کوئی معاملہ جب تک فٹ نہ آئے اس کو حق ہونے کی سند نہیں مل سکتی۔

پس 'سنت' کا یہ تصور جو فوراً اس کو کچھ 'خاص اعمال' کے ساتھ جوڑ دیتا ہے ایک بے حد قاصر اور ناقص مفہوم ہے اور ''دین'' کی بابت ہمارے کئی ایک داعیانِ سنت تک کا مفہوم بگاڑ چکا ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فرقۂ ناجیہ کیلئے جو مشہور ترین تسمیہ اور حوالہ وجود

میں آتا ہے وہ ''سنت'' ہی کے ساتھ وابستہ ہے یعنی ''اہل سنت''۔ چنانچہ ''سنت'' جب ایک عمومی معنیٰ میں لی جاتی ہے تو منہجِ سلف میں اس سے مراد فکر اور عمل کا وہ پورا دھارا ہوتا ہے___ عموماً واجمالاً بھی.. اور ایک ایک جزء کے معاملہ میں، تفصیلاً بھی___ جو رسول اللہ ﷺ نے انسان کے قلب و ذہن اور اس کے پورے انفرادی و اجتماعی نشاط کو دیا۔ سلف کے استعمالات کو دیکھئے تو لفظِ ''سنت'' سے ذہن میں جو سب سے پہلی بات آتی ہے وہ ''تصورِ دین'' ہی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ لفظِ ''بدعت'' سے بھی جو بات سب پہلے ذہن میں آتی ہے وہ ''تصورِ دین'' ہی ہے۔ یعنی ایک طرف وہ تصورِ دین جو حق ہے اور رسول اللہ ﷺ اور سابقین اولین سے ماخوذ چلا آتا ہے اور دوسری طرف وہ تصورِ دین جو باطل ہے اور منحرف ذہنوں کی ایجاد۔ چنانچہ وہ (یعنی سلف) اپنے اور اپنے سے علیحدہ ہو جانے والوں کے مابین ''امتیاز'' کا کوئی عنوان اختیار کرتے ہیں تو وہ یہی دو لفظ ہیں: ''اہلِ سنت'' اور ''اہلِ بدعت''۔

ایک یہی بات، استعمالِ سلف کے حوالے سے، بہت کافی ہے کہ ''سنت'' کی بابت اپنے تصور کو اس سے بہت بڑا کیا جائے جو کہ اس وقت بالعموم اذہان کے اندر ایک خاص صورت اختیار کر گیا ہے اور سمٹتے سمٹتے کچھ مخصوص اعمال سے جڑ کر رہ گیا ہے...... پھر جبکہ صورت حال یہ ہو کہ ایک طبقہ کے ہاں 'اعمال' کی ایک صنف پر زور ہے تو دوسرے طبقہ کے ہاں 'اعمال' کی کسی دوسری صنف پر، جس سے 'سنت' کا مفہوم نہ صرف 'محدود' ہوا ہے بلکہ 'منقسم' بھی ہو گیا ہے بلکہ کسی حد تک فرقہ وارانہ بھی۔

عمومی طور پر، ''اصولِ دین'' تو ''سنت'' کے لفظ سے ذہن میں آنا بے حد بعید ہو گیا ہے، حالانکہ یہ باقاعدہ طور پر ہمارا وجہِ تسمیہ ہے اور منحرف فرقوں سے ہمارے امتیاز کا جلی عنوان۔ لفظ ''سنت'' کا اصل اطلاق تو ہوتا ہی ''اصولِ دین'' پر ہے۔

مزید برآں...... 'عمل' میں 'سنتوں' کا التزام ملحوظ خاطر رکھا جانا یقیناً بے حد اہم ہے مگر خود اس 'عمل' کا تصور اور اس 'عمل' کا وجود میں آنا ہی جس حقیقت کا مرہونِ منت ہونا

چاہیے سب سے پہلے تو وہ ''سنت'' ہماری توجہ کی مرکز ہونی چاہیے! مگر کیا ایسا ہوتا ہے؟ حالانکہ 'تربیتِ عمل' کی اصل جان تو کسی چیز میں پوشیدہ ہے تو دراصل وہ یہی ہے، یعنی ایمان کے بیج سے اور عقیدہ کے مواد سے عمل کی پیدائش۔

☆☆☆☆☆

پس نہ صرف یہ اہم ہے کہ 'عمل' کئے جائیں، اور نہ صرف یہ کہ 'دورانِ عمل' کی 'سنتوں' کا التزام کیا جائے اور اعمال میں اگر کچھ 'بدعات' معروف ہوگئی ہیں تو ان سے دامن بچا کر رکھا جائے ...... بلکہ اس سے بھی پہلے جو بات اہم ہے وہ یہ کہ عمل کو ہی عقیدہ سے برآمد کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں عقیدہ اگر دل میں جاگزیں ایک حقیقت کا نام ہے تو عمل اس حقیقت کی ہی زبان بن جائے جس کے ذریعے 'عقیدہ' عالمِ واقع کے اندر اپنا ظہور کرے اور عالمِ محسوسات کے اندر اپنا آپ بتائے اور 'دیکھنے، سننے، چھونے اور چکھنے' میں آئے!

☆☆☆☆☆

چنانچہ 'اعمال' جب بندگی کی زبان بنتے ہیں اور اللہ کی خالص پہنچان کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اُس کی الاہیت کے سامنے انسان کی عبدیت کی بے ساختہ صورت میں سامنے آتے ہیں تو پھر ان کا ایک اور ہی رنگ ہوتا ہے اور ایک اور ہی کیفیت ......

محنت تو 'اعمال' پر پھر بھی بہر حال کرنا اور کروانا پڑتی ہے اور بلاشبہہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے زیرِ تربیت نفوس کو اعمال پر بے حد محنت کروائی تھی، مگر اس صورت میں 'اعمال پر محنت' کی ایک خاص متعین سمت بنتی ہے اور نفس پر اس کی ایک خاص مبارک تاثیر دیکھنے میں آتی ہے، یہاں تک کہ ایسے نفوس کے اکٹھ سے جو ایک اجتماعی صورت وجود میں آتی ہے وہ بھی نہ صرف یہ کہ ایک جاندار اور فاعلیت سے پُر اجتماعیت ہوتی ہے بلکہ ''اللہ کی بندگی'' ان کے مابین کچھ ایسا بے ساختہ حوالہ بنتا ہے کہ بہت سے ایسے حوالے جن کے بغیر یہاں کے روحانی طبقوں یا تحریکی حلقوں میں ایک شدید کمی اور خلش

پائی جاتی ہے ''اللہ کی تعظیم و کبریائی اور اس کی وحدانیت اور اس کی طلب و ارادت'' آپ سے آپ ایسی ہر کمی اور ہر خلش کو پورا کر دینے کیلئے موجود ہوتی ہے!

☆☆☆☆☆

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ 'عبادات' بندے اور خدا کے مابین اس خاص رشتے کا اظہار بن جاتی ہیں جس کا وہ عقیدہ اور ایمان کے ابواب میں انعقاد کر آیا ہوتا ہے۔ بندے اور خدا کے مابین یہ ایک پختہ تعامل کی صورت بن جاتی ہیں۔ جب عقیدہ نے اس کو بندے اور خدا کے مابین ایک باقاعدہ 'تعامل' اور ایک 'لین دین' بنا دیا تو یہ 'تعامل' اور یہ 'لین دین' تو پھر جتنا زیادہ ہو! اب یہ بندے کا مالک کو آواز دینا بن جاتا ہے۔ بندے کا اُس کے آگے فریادیں کرنا، گریہ کرنا، بار بار اُس کا التفات چاہنا جو کہ اسی صورت ممکن ہے کہ خود یہ پہلے اُس کی جانب ملتفت ہو اور طہارت و پاکیزگی اختیار کر کے اُس کے حضور باادب ہو اور اُس کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا محل بننے کیلئے ہر ممکن ادا اور ہر مطلوب سلیقہ اپنائے اور اُس کی نوازشوں کے باران کی زد میں آنے کیلئے ہر مسنون جہت اختیار کرے......!

اب جب ''بندگی'' اِس کا موضوع بنتا ہے تو اِس کا سجدہ و رکوع، اِس کی تسبیح اور تعظیم، اِس کا قیام اور قنوت، اِس کی دعا اور گریہ، اِس کا بار بار اُس کے آگے ہاتھ اٹھانا اور ہاتھ پھیلانا، جھک جھک کر دوزانو ہو بیٹھنا، نگاہوں کو اُس کے سامنے گرا لینا اور نظر تک میں خشیت لے آنا، استغفار، التجاء، استعاذہ وتسمیہ، تلاوتِ آیات، مالک کو اس کا ایک ایک نام لے کر پکارنا اور پیرائے بدل بدل کر اُس کا التفات مانگنا اور اُس کی خوشی چاہنا اور اُس سے معافی کی درخواستیں کرتے ہی چلے جانا، مالک سے اُس کا فضل مانگتے نہ تھکنا کہ یہ جانتا ہے مالک کا فضل اِس کیلئے کیا معنی رکھتا ہے، نبیؐ سے سیکھے ہوئے وہ خاص مؤثر الفاظ اور اذکار اور تعبیرات جو دراصل اُسی ذات کے القاء کردہ ہیں اور اسی کی رحمت کو جوش میں لے آنے کا یقینی ذریعہ، نبیؐ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ اور اذکار اور تعبیرات جو یہ اس سے بڑے

ادب اور چاہت کے ساتھ سیکھ چکا ہے، یہ ان الفاظ، ان اذکار اور ان تعبیرات کا بار بار اعادہ کرتا ہے اور بندگی کی ایک ایک ادا جو نبیؐ سے اس کیلئے ماثور ہوئی ہے یہ بار بار دہراتا ہے......تو یہ سب کچھ کرتے ہوئے دراصل یہ اس ''بندگی'' کی ہی ایک مجسم تصویر بنتا ہے جو ''عقیدہ'' نے اس کے دل کی لوح پر نقش کر دی ہوتی ہے۔

اب جب یہ ''عقیدہ'' کی لوح پر لکھی عبارتوں کو اپنے عمل، اپنے سجدوں اور اپنی تسبیحوں سے گہرا کرتا ہے اور بندگی کی ان عبارتوں کے اندر اپنی ریاضت اور جہد کے ذریعے ایک سے ایک خوبصورت رنگ بھرتا ہے، اس آس میں کہ مالک کو بندگی کے یہ مسنون رنگ پسند آئیں، تو ''عقیدے'' کی تحریر کردہ وہ عبارتیں اس کے وجود میں روز بروز گہری ہونے لگتی ہیں۔ نہ صرف گہری بلکہ ہر دم تازہ ہونے لگتی ہیں۔ وہ ایک ہی خوبصورت حقیقت جس کا یہ **لا الہ الا اللہ** کی شہادت میں اقرار کر آیا تھا تب اس کی ہستی میں ہر دم ''عبادت'' کے پھول کھلاتی ہے اور اس کا وجود ''بندگی'' کی خوشبو کے ساتھ اور سے اور مہکتا ہے......اور یوں یہ اپنے وجود کی غایت کو پورا کرنے اور اپنی منزلِ سعادت کی جانب بڑھتا جانے کی ہر دم توفیق پاتا ہے!

چنانچہ 'نماز' کو اگر 'ایمان و توحید کی حقیقت' سے برآمد کیا جائے اور مسلسل اس کو یہی رخ اور یہی جہت دے رکھی جائے، اور مربیوں کی محنت و ریاضت کا یہی اصل میدان ہو جائے......تو وہ 'حرکات و سکنات' کا ایک مجرد مجموعہ نہیں رہتی جس کے محض فرائض و نوافل ہی پر صبح شام زور دے رکھا جائے کہ 'بھئی نماز پڑھو نماز!' یا ایک خشک و بے تاثیر انداز میں اس کی کچھ متروک سنتوں یا اس سے متعلق کچھ 'اختلافی' مسائل ہی کو اس کی تکمیل و تحقیق کی ایک زبردست صورت باور کیا جائے!

تب 'نماز' کوئی 'تنظیمی کارروائی' بھی نہیں رہتی جیسا کہ کئی ایک جماعتوں کے قواعد و ضوابط کو دیکھ کر آدمی کو محسوس ہوتا ہے، بلکہ ان کے یہاں اس کو ایک کامیاب 'تربیتی نظام' کا حصہ بھی خیال کیا جاتا ہے!

تب 'نماز' وہ جسم بھی نہیں رہتا جس کیلئے 'روح' کا انتظام کرنے کی خاطر ''دین'' کو 'شریعت' اور 'طریقت' کے مابین دولخت کردینا پڑے اور ہر دو کیلئے علیحدہ اور مستقل دنیائیں وجود میں آجائیں!

عبادت میں ''احسان'' کی کیفیات لے آنے کا سنت ذریعہ وہی بے ساختہ عمل ہے جو دراصل ''ایمان کے حقائق'' پر محنت کرنے سے ہی وجود میں آتا اور عبادت کو اللہ کی صحیح صحیح پہنچان کا نتیجہ بنادینے سے ہی تشکیل پاتا ہے......

توحید کی حقیقت دلوں میں اتاری جانے پر ہردم محنت ہو.. لا الہ الا اللہ کی غایت کو نفوس میں گہرا لے جانے کا عمل تربیت میں پورے تسلسل کے ساتھ جاری رہے.. اللہ کی صفات، علم اور بصیرت کا بنیادی مضمون ہوجائیں اور غیر ہستیوں کی عبادت کا بطلان اور ان سے بیزار ہوجانے کے اسباق کا بار بار اعادہ ہو.. ایمان کے حقائق مجالسِ تعلیم وتعلم اور ذکر وفکر کا موضوع بنادیے جائیں، خصوصاً جنت اور جہنم کے تذکرے نبوی بیان اور صحابہ وسلف کی تذکیر کے اسلوب میں بکثرت ہوں.. اور سب سے بڑھ کر ''قرآن' کو ایک فرد کا دستر خوان بنا دینے میں کامیابی حاصل کرلی جائے...... تو پھر ''عبادت'' ''احسان'' کی منزلیں آپ سے آپ چڑھنے لگتی ہے اور جتنا 'رزق' کسی کیلئے اس راہ میں رکھ دیا گیا ہوتا ہے وہ اس کو ملنے لگتا ہے بلکہ اور سے اور کیلئے ذوقِ طلب آتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس باب میں کسی چیز کی ضرورت رہ جاتی ہے تو وہ ایک صالح مربی کی توجہ اور نگہداشت کا دستیاب ہونا ہے، جبکہ مربی کی ضرورت ہونا بذاتِ خود سنت اور منہجِ سلف سے ہی ثابت ہے۔

آدمی کے ایمانی سفر کا آغاز ہی جب خالق کو جاننے اور اس کی صفات کا علم پانے سے ہو اور اس کا پہلا قدم ہی ربوبیت اور الوہیت کے مفہومات کو دل میں بٹھانے اور بندگی کی حقیقت سمجھنے اور رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کی اصل غایت جاننے سے ہو اور ''دین'' کا پورا تصور ذہن نشین کرنے پر اس کی ڈھیروں محنت ہوئی ہو، یوں آدمی

کا ''عبادت'' کیلئے کھڑا ہونا ہی جب ایک بصیرت کا نتیجہ ہو اور خدا کی طرف ''متوجہ'' ہونے کی ہی ایک شعوری حالت اور ایک خشیت سے پر کیفیت ......تو پھر اس عبادت میں اس کا اپنے آپ کو خدا کے سامنے پانا اور اگر ہو سکے تو اپنے سامنے خدا کو پانا، خدا کی طرف سے اس کی اس بابرکت محنت کا ہی ثمر ہو جاتا ہے۔

اس ثمر کے ملنے کی کوئی حد نہیں اور اس کے مراتب شمار سے باہر ہیں مگر ہر وہ شخص جو اپنے دل کی سرزمین میں ایمان کا شجر کاشت کرتا ہے اور اس کیلئے 'زمین' کو بنانے سنوارنے اور محنت ومشقت کی مقدور بھر کوشش کرتا ہے خدا اس کو کچھ نہ کچھ ثمر اس کے عوض میں اپنے فضل سے ضرور چکھاتا ہے۔ بے شک یہ ثمر محنت اور مشقت ہی کے نتیجے میں ملتا ہے اور صحابہ و سلف کی 'عبادت' پر محنت بھلا کسے معلوم نہیں، البتہ یہ یقینی ہے کہ یہ ثمر سنت راستے میں رہ کر کی گئی محنت اور ریاضت ہی کا نتیجہ ہے اور توحید ہی کی زمین میں پایا جا سکتا ہے۔

محدثاتِ امور اور بدعت طریقوں اور سلسلوں کے ساتھ کی گئی محنت کے نتیجے میں وہ ثمر بھلا کب ملتا ہے جسے صاحبِ سنت و شریعت ﷺ ''احسان'' کا نام دیتے ہیں؟ ؟! دورِ نبوت وسلف کے مابعد ظہور کرنے والے سلسلے اور طریقے جو رسول اللہ ﷺ سے اور صحابہ وتابعین سے صحتِ سند کے ساتھ پایۂ ثبوت کو ہی نہیں پہنچتے اور اسی لئے سینہ بہ سینہ کی بے بنیاد 'عنعنہ' پہ انحصار کرتے ہیں......کوئی شخص اگر سنت راستوں کو چھوڑ کر جو کہ خدا کو پانے کا یقینی ذریعہ ہیں، ان محدثاتِ امور ہی کو خدا کو پانے کا مؤثر تر ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کی محرومیت میں کیا شک رہ جاتی ہے؟ اور اگر بالفرض اسے لگے کہ اس بدعت راستے میں ہی اس پر 'احسان' کی کیفیات وارد ہونے لگی ہیں تو بہت امکان یہ ہے کہ وہ اس کے لئے شیطان کا بہکاوا ہو جو کہ بدعت راستے کا ایک معروف خاصہ ہے، اور اس پر دلائل اور شواہد بے شمار ہیں۔ اور اگر کسی کو قلب کی وہ شفافیت عطا ہوئی ہے کہ اس کو وہاں پر بھی کچھ سچے 'احوال' میسر ہوتے ہوں ___ جو کہ ایسے لوگوں کے حق میں واقعتاً ممکن ہے جنہوں نے لاعلمی کے ماحول میں ایسی کسی فضا کے اندر آنکھ کھولی ہو، بشرطیکہ ان

کی وہ بدعت شرک تک نہ جاتی ہو ___ تو ایسا پاک طینت شخص تو خاص طور پر یہ حق رکھتا ہے کہ وہ ''اخلاص'' اور ''احسان'' کی، سنت اور سلف سے ماثور بنیادوں سے ہی آشنا ہو اور تب وہ اللہ کی خالص عبادت میں وہ لذت اور لطف پائے اور قرآن سے اس کو ''حقیقت'' کے وہ خزینے ملیں اور تحقیقِ توحید میں وہ ایمان کی وہ بصیرت اور ترقی پائے جو اس کو سوائے اس راستے کے کہیں اور مل ہی نہیں سکتی ...... کہ خیر سب کی سب نبیؐ اور صحابہؓ کے راستے میں ہی رکھ دی گئی ہے!!!

بلاشبہہ وہ طبقے جن کی جانب سے 'نماز کو سنت کے مطابق' ادا کرنے کی صدا بلند کی جاتی رہی ہے، بلکہ ان کے ہاں اس پر مناظرے اور لڑائی بھڑائی تک نوبت آجاتی رہی ہے، حتی کہ بسا اوقات یہ فقہائے اہلسنت کے اختلافِ آراء تک کو 'انحراف' کے رنگ میں پیش کرتے ہیں، اور اِن حضرات کی جدوجہد تو بہر حال نماز کے چند فروعی مسائل ہی کے گرد ہے...... بلاشبہہ ان کے اس رویے نے 'سنت' کی بابت ایک عام آدمی کے تصور اور تاثر کو شدید حد تک خراب کیا ہے۔ 'سنت کی دعوت' کے اس تصور concept اور اس تاثر image نے جہاں اور بہت سے نقصانات کئے وہاں یہ اس بات کا بھی سبب بنا کہ 'سنت' کے حوالے سے 'عبادات' ایک خشک اور بے تاثیر موضوع بن کر رہ جائیں جس میں لذت، شیرینی، لطافت اور روح نام کو نہ ہو۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ 'نمازِ نبوی' اگر یہی ہے جو ہمارے ان طبقوں کی فرقہ وارانہ بحثوں کو دیکھ کر سامنے آتی ہے تو پھر واقعتاً یہ ایک جسم ہے جس کے لئے 'روح' کا انتظام ہر 'زندہ' شخص کی ضرورت ہوگا۔

ہم یہ کہنے کیلئے معذرت خواہ ہیں مگر حق یہ ہے کہ صوفیاء کا وہ مقدمہ جو اس جسم میں 'روح' بھرنے سے متعلق ہے، وہ ہمارے ان 'داعیانِ سنت' کے دیے ہوئے خشک و بے جان رویوں کے باعث ہی ایک بڑی سطح پر مقبولیت پانے اور اپنی ضرورت محسوس کرانے میں کامیاب ہوا ہے۔ 'روح' کے متلاشیوں پر بدعت کا فتویٰ آپ لگا سکتے ہیں جبکہ وہ واقعتاً بدعت راہ پر ہوں، مگر 'سنت' کا یہ مفہوم جو ہمیں یہاں کے ایک خاص طبقے کی 'دعوتِ سنت'

میں ملتا ہے بذات خود کیا دین میں ایک نئی چیز نہیں؟ بدعات کے رد کے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے اگر آپ سنت راہوں کو خود ہی مسدود کر چکے ہوں، بلکہ 'سنت' کے نام پر ہی مسدود کر چکے ہوں، تو آپ کی یہ سرگرمیِ احیائے دین یہاں کونسی حقیقی تبدیلی لے کر آئے گی؟

ایک مثبت اور حقیقی تبدیلی برپا ہونے کی آس تو اسی وقت لگائی جاسکتی ہے جب واقعتاً مقابلہ 'بدعت' اور 'سنت' کے مابین ہو۔

☆☆☆☆☆

اسلامی عبادات، خصوصا ان میں سے قلبی، قولی اور بدنی عبادات، درحقیقت اللہ کا ذکر ہیں۔ اللہ کا ذکر ہی بدن اور روح کی اس مشترکہ سرگرمی کی اصل حقیقت ہے۔ چنانچہ سب سے بڑھ کر جو چیز ضروری ہے وہ یہ کہ 'ذکر' ہی کی بابت انسان کا تصور قرآنی اور نبوی مفہومات سے ہم آہنگ ہو جائے۔ ایک بڑا خلط مبحث درحقیقت یہیں سے جنم لیتا ہے اور پھر مختلف طبقوں کے تعامل میں آگے چل کر جب عملی طور پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کی کجی محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ پس لازم ہے کہ اس مسئلہ کا تدارک یہیں پر ہو جائے......

'ذکر' دراصل ایک حقیقت کا اعادہ ہے، خواہ وہ اعادہ نماز کی صورت میں ہے یا دعا کی صورت یا کچھ مسنون ورد اور وظائف کی صورت۔ پس سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ ''حقیقت'' ہی ایک انسان کے قلب و ذہن میں جانشین کرائی جائے جس کا 'اعادہ' پھر ذکر کہلائے گا۔ وہ اصل ''حقیقت'' ہی کہیں روپوش ہو اور اس کے قیام پر ہی کوئی محنت نہ ہوئی ہو تو بھلا 'اعادہ' کس بات کا؟! وہ اصل 'مدعا' ہی انسان کو معلوم نہ کرایا گیا ہو جو کہ 'ذکر' کی صورت اس کی زندگی میں مسلسل سامنے لایا جانا ہے، تو اس کے 'بیان' پر مبنی عبارتیں دہرانا لازماً اس کے لئے ایک تکلف اور بڑی حد تک ایک غیر طبعی عمل ہوگا۔

یہی وجہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ 'اعمال' وہ پہلی چیز نہیں جس پر ''دین'' کی طرف آنے والے شخص کو محنت کرائی جائے گی۔ سب سے پہلے اس سے جو تقاضا ہوگا وہ یہی کہ وہ انبیاء کی بعثت کا مقصد جانے اور رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کا لب لباب معلوم کرے۔ وہ

اس بات کا علم حاصل کرے کہ قرآن کا اصل موضوع کیا ہے اور وجود کی اصل غایت کیا۔ حتیٰ کہ اسی سبق پر وہ کچھ دیر ٹھہر جائے۔ اسی محنت کے دوران وہ اللہ سے ایک صحیح تعارف پا چکا ہوگا اور اُس کی عبادت، اُس کی وحدانیت، اور اُس کی تعظیم و کبریائی کو اپنا سب سے بڑا موضوع بنا چکا ہوگا۔ پھر رسولوں کی دعوت کا لب لباب از بر کرنے کے دوران وہ شرک اور طاغوت کا مطلب بھی جان چکا ہوگا اور باطل ہستیوں کی خدائی اور کبریائی کے خلاف اعلانِ عداوت بھی اس کی بندگی اور عبادت کے آہنگ میں باقاعدہ طور پر آ چکا ہوگا اور 'خدا کی طلب اور چاہت' میں 'باطل معبودوں سے بیزاری' بھی ایک جزو لاینفک کے طور پر شامل ہو چکی ہوگی۔ غرض عقیدہ کے وہ سب برگزیدہ مطالب جو انبیاء کے مقدمۂ دعوت میں بے حد جلی اور نمایاں ہیں اوران کو 'تلاش' کرنے کیلئے ہرگز کسی 'بحث و تحقیق' کی ضرورت نہیں، حقیقتِ دین کے حوالے سے اس کے پردۂ ذہن پر ثبت ہو چکے ہوں گے۔ اب جب وہ 'بندگی' کی صورت میں ایک مدعا اپنے اندر پیدا کر چکا ہے، اور اس بندگی کے محل کا صحیح صحیح تعارف کر چکا ہے، جس پر کہ اسے اپنی یہ بندگی مختلف صورتوں میں نچھاور کرنی ہے، نہ صرف یہ بلکہ وہ بندگی کے اس باطل محل سے بھی بری و بے زار اور اس کی پلیدی سے پوری طرح آگاہ ہو آیا ہے جو اس کی اس چاہت اور طلب کو آلودہ کر کے رکھ سکتا تھا اور بندگی کے اس پاکیزہ محل کو پانے سے ہی اس کو محروم و نامراد کر سکتا تھا...... اب جب یہ اس حقیقت اور اس مشن کا ادراک کر آیا ہے جو کہ رسولوں اور کتابوں کا اصل الاصول ہے، اور اسماء وصفات کی صورت معبود کو ___ اپنی استطاعت کی حد تک ___ لاتعداد جہتوں سے جاننے اور ماننے کا شعور پا آیا ہے...... تو اب اس کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اسی 'حالت' کو بار بار اپنے اوپر دہرائے اور مختلف انداز اور اسلوب میں اسی حقیقت کو اپنے اندر تازہ کرے۔ اس عمل کا نام ہی 'ذکر' ہے۔

یہی وجہ ہے کہ 'ذکر' کی یہ سرگرمی مختلف محوروں پر جاری رہتی ہے۔ نماز، اذکار، ورد، وظائف اور دعا وغیرہ تو 'ذکر' ہے ہی۔ سب سے بڑھ کر 'ذکر' اس کیلئے یہ ہے بلکہ علی الاطلاق بہترین 'ذکر' ہے کہ قرآن کا ورد ہو۔ وجہ یہ کہ قرآن کا دہرایا جانا ان سب اسباق کا

بہترین اعادہ ہے اور اس اصل حقیقت کا اعلیٰ ترین اثبات ہے جس کو 'ذکر' کے اندر درحقیقت بولنا ہے اور جس نے اس کی جملہ سرگرمیِ عبادت کے اندر اصل رنگ بھرنا ہے۔

'ذکر' دراصل نفس کے حق میں ایک حالتِ بیداری کا نام ہے۔ اس کے برعکس حالت کا نام قرآنی اصطلاح میں 'غفلت' ہے[۱]۔ یعنی نفس کا خدا کی جانب متوجہ یا خدا کی ڈیوٹی پر کمربستہ رہنے میں کسی وقت کوتاہ ہو جانا اور اس پر ایسی ساعتوں کا گزرنا جب ایمان اور بندگی کی وہ حقیقت جو وہ رسولوں اور کتابوں سے سیکھ آیا ہے اس کے اندرون میں دھندلی ہو جائے اور ویسی روشن اور تازہ نہ رہ پائے جیسی کہ 'حالتِ بیداری' میں ہونی چاہیے۔

'ذکر' کا یہ وسیع مفہوم سامنے نہ رہے تو نہ صرف 'عبادات' بے معنیٰ اور روح سے خالی ہونے لگتی ہیں بلکہ وہ خاص اعمال اور 'الفاظ' بھی جن کو معروف معنوں میں لوگ 'ذکر اذکار' ہی کے طور پر جانتے ہیں، خود وہ اعمال اور الفاظ بھی 'ذکر' کی حقیقت سے خالی ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یا تو وہ ایک روٹین کا نام بن کر رہ جاتے ہیں اور یا پھر ان میں 'روح' اور 'جان' ڈالنے کیلئے کچھ اضافی تکلفات کرنا پڑتے ہیں مانند ضربیں لگانا، سانسیں کھینچنا اور پھنکارنا[۲]، حال بے حال ہونا اور بسا اوقات ناچ

(۱) واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین (الأعراف: ۲۰۵) ''اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے درون میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ، زبان سے، اونچی آواز رکھے بغیر، صبحوں کو اور شاموں کو بھی، اور ہرگز نہ ہو رہنا غفلت والوں میں سے''

(۲) ان بعض حلقوں میں ایک اور چیز بھی معروف ہے جس کو 'قلب کا جاری ہونا' کہا جاتا ہے، ایک خاص مفہوم میں جس کا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے تو کوئی ثبوت ظاہر ہے کہ پایا ہی نہیں جاتا، ویسے بھی یہ ایک بے حد پر تصنع چیز ہے۔ بسا اوقات، اس عمل کے دوران، دیکھنے والا بڑی دور سے 'صاحبِ حال' کے سینے میں ایک ہلچل دیکھتا ہے اور کچھ دیر کیلئے حیران ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے دل باقاعدہ پھڑ پھڑا رہا ہے اور قمیص کے اندر سے اور بسا اوقات تو 'جرسی وسویٹر' کے اندر سے عین دل کے مقام پر سینے کے 'اندر' ہونے والی تیز تیز حرکت صاف دیکھی جاتی ہے۔ خدایا کیا ماجرا ہے!؟ سب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

گانے تک نوبت آنا وغیرہ، جن کا کہ سنتِ رسول اللہ ﷺ سے دور نزدیک کا بھی کوئی واسطہ نہیں، اور جن سے 'ذکر' کے اندر روح اور جان تو پھر بھی نہیں پڑتی کہ ذکر کی جان تو رہے ہی اللہ کے درست تعارف میں اور دعوتِ رسل کا مقدمہ ازبر کرنے اور قرآن کے مضامین دہرانے اور توحید کے حقائق کے اندر گہرا اترنے میں، البتہ ایک وقتی رنگ اور ایک سماں ان چیزوں سے ضرور بندھ جاتا ہے، جس کو 'احسان' کے برگزیدہ مطالب کی تکمیل بھی سمجھ لیا جاتا ہے!

'ذکر' کا یہ وسیع مطلب پس جب تک واضح نہ ہو معروف معنیٰ میں ہم جن 'اذکار' سے واقف ہیں خود وہ بھی 'ذکر' نہیں رہتے بلکہ 'غفلت' ہی کی ایک صورت ہو رہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

جانتے ہیں کہ یہ اگر اس قلب کی حرکت ہے جو سینے کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے (خود حدیث میں قلب کو بدن کے اندر پایا جانے والا ایک لوتھڑا کہا گیا ہے) تو پھر ہم سب جانتے ہیں کہ اس لوتھڑے کے گرد پسلیوں کا ایک مضبوط پنجرہ بھی خدا نے تخلیق کر رکھا ہے، جس کے ہوتے ہوئے دل کتنی ہی اچھل کود کرنے پہ آ جائے، سینے کے باہر خصوصاً موٹے گرم کپڑوں کے اندر سے دل کا آگے پیچھے تیز تیز حرکت کرتے دیکھا جانا ممکن نہیں۔ تو پھر یہ کیا ہے؟

مجھے میرے ایک دوست نے، جو کوئی بیس سال سے زیادہ ان حلقوں کے ساتھ وابستہ رہے اور بعد ازاں اللہ نے ان کو خالص دین کی سمجھ دی، اپنا 'قلب' جاری کر کے دکھایا۔ ہمارے حیران ہونے اور سوال کرنے پر انہوں نے وضاحت کی کہ وہ دل جو سینے کے اندر ہے وہ تو پسلیوں سے ابھر کر کیسے باہر کو آ سکتا ہے یہ البتہ عضلات کی ایک خاص مشق ہے جو سالوں کی محنت کے بعد ثمر آور ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں آدمی کچھ کوشش اور ترکیز صرف کر کے اپنے ان عضلات کو جو سینے پر عین دل کی سیدھ میں ہوتے ہیں بڑی تیزی کے ساتھ حرکت دے سکتا ہے۔ انسان کے اندر مسلسل مشق کے نتیجے میں کئی ایسی قدرتیں پیدا کی جا سکتی ہیں جو بالعموم اس کے بس میں نہیں ہوتیں۔ کچھ محنت اور مشق کے نتیجے میں آپ اپنے کان کو حرکت دے سکتے ہیں اور ناک کی کونپل بھی ہلا سکتے ہیں۔ ہمارے اس دوست نے بتایا کہ جب وہ 'ذکر' کے ان حلقوں میں سرگرم تھے تو مسلسل کئی سالوں کی ریاضت کے بعد جا کر ہی ان کا قلب 'جاری' ہو پایا تھا!

مسنون اور غیر مسنون اذکار بالکل ایک الگ بحث ہے اور اس کی نوبت بہت بعد جا کر آتی ہے، ہم البتہ یہاں ذکر کی اصل حقیقت پر بات کر رہے ہیں نہ کہ 'ذکر' کیلئے اختیار کئے جانے والے الفاظ اور کلمات پر۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں پورا قرآن ذکر ہے، بلکہ بہترین ذکر ہے۔ کیونکہ پورا قرآن بندگی اور عبادت کے خوبصورت ترین مضامین پر مشتمل ہے البتہ ان مضامین میں جو وسعت ہے وہ اس 'ذکر' کا دائرہ بے حد پھیلا دیتی ہے اور اس کو نفس سے معاشرے تک اور دنیا سے آخرت تک لے جاتی ہے۔ اس وسعت ہی کے باعث ایک محدود ذہن کو قرآن کے کئی ایک مضامین 'ذکر' کی کیٹگری میں فٹ ہوتے نظر نہیں آتے اور وہ 'ذکر' کی کیفیت میں آنے اور رہنے کیلئے قرآن پر ہمہ وقتی محنت سے صرف نظر کئے رہتے ہیں۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں قرآن میں یا تو اللہ کی ذاتِ کبریاء کا تعارف ہے، جو کہ بندگی کا اصل محل ہے، اور قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہے اور تعارفِ ذاتِ باری تعالیٰ کے ایسے ایسے افق دکھاتا ہے اور معرفت کے باب میں ہر پہلو سے انسان کو اس قدر گہرا لے جاتا ہے کہ عام صالحین کا کلام اور بیان تو رہا ایک طرف پہلی آسمانی کتابوں میں بھی خدا کی بابت ایسا خوبصورت بیان نہیں...... یا پھر باطل معبودوں اور طاغوتوں کا بطلان ہے اور اللہ کی بابت جاہلیت کے اختراع کردہ اوہام وتصورات کا ابطال، جو کہ اللہ کی تسبیح اور تنزیہ اور تقدیس ہی کی عملی اور واقعاتی تصویر ہے اور اس کے حق اور ناموس کیلئے حمیت اور غیوری ایسے احساسات نفس میں موجزن ہو جانے کو اللہ کے ذکر و تعظیم ہی کی ایک صورت بنا دینا...... یا پھر قرآن میں شریعت اور حلال وحرام اور اوامر ونواہی کا بیان ہے جو کہ بندگی کی عملی تفاصیل ہیں...... یا پھر جنت و دوزخ اور وعد و وعید کا بیان ہے جو کہ اس بندگی کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کے نتائج اور عواقب ہیں اور خدا کے بادشاہ مطلق ہونے اور اس کی عدالت لگنے اور اس کے ہاں سے عدل کے فیصلے ہونے کا ایک مفصل ذکر، اس لحاظ سے یہ بندگی ہی کی عظمت و برگزیدگی اور اسی کے عظیم الشان مضمرات کا بیان ہے...... یا پھر پہلے رسولوں اور

گزری ہوئی قوموں کے قصص ہیں جو کہ زمین پر خدا کی بندگی اور عدمِ بندگی ہی کی سچی اور پر تاثیر داستانیں ہیں، جن سے کہ بندگی ہی کے حوالے سے ہزار ہا عملی اسباق اور عبرت اور بصیرت کی ہزار ہا جہتیں منکشف ہوتی ہیں اور بندگی سے متعلق حقائق کے بہت سے آبگینے ہاتھ آتے ہیں...... یا پھر قرآن میں کفار اور منافقین کی سرزنش و مذمت اور ان کے ساتھ جدال اور پھر ان کے مدمقابل جہاد یا قتال کا بیان ہے، جو کہ بندگیِ خداوند کی بنیاد پر زمین میں ایک کشمکش برپا کرنے کے ہی کچھ برگزیدہ ترین مباحث ہیں......غرض پورا قرآن خدا کی بندگی اور تعظیم کا ذکر ہے اور اس قدر اعلیٰ و ارفع اور قلوب پہ اثر انداز ہونے والا کہ اس سے بہتر کوئی ذکر اور کوئی کلام ہو سکتا نہیں۔

اب یہاں ہم ابن القیمؒ کے کچھ اقتباسات پڑھیں گے:

''سب کے سب اعمال مشروع ٹھہرائے گئے ہیں تو وہ اسی لئے کہ اللہ کا ذکر عمل میں آئے۔ اعمال سے اصل غرض دراصل اللہ کے ذکر ہی کی بجا آوری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: **أقم الصلوة لذکری** ''کہ قائم کرو نماز میرے ذکر کیلئے''...... (اس آیت کی بابت) علماء کے ایک فریق کا قول ہے: لفظ ذکر یہاں بطور مصدر، فاعل کیلئے ہے یعنی نماز قائم کرو اس لئے کہ میں تمہارا (اپنے یہاں) ذکر کروں۔ ایک فریق کا قول ہے: اس کی نسبت مفعول سے ہے، یعنی نماز قائم کرو اس لئے کہ تم میرا ذکر و تذکرہ کرو۔ **لذکری** میں لام تعلیل کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لامِ وقت ہے، یعنی جب میری یاد آئے تو نماز قائم کرو۔ جس طرح مثلاً اس آیت میں لامِ وقت استعمال ہوا ہے: **أقم الصلوة لدلوک الشمس** ''جب سورج ڈھل جائے تو نماز قائم کرو''، گو لامِ وقت کی بنا پر اس کی تفسیر کرنا محل نظر ہے...... ظاہر تر بات یہ ہے کہ یہ لامِ تعلیل ہے یعنی نماز قائم کرو اس لئے کہ میری یاد تازہ ہو۔ ہاں اس سے یہ لازم ضرور آجاتا ہے کہ خدا کی یاد کے وقت نماز قائم ہو۔ علاوہ ازیں بندہ جب اپنے رب کو یاد کرے گا تو رب کا

بندے کو یاد کرنا اس سے پہلے واقع ہوا ہوگا، کیونکہ رب نے جب بندے کو یاد کیا تو ہی بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ وہ خدا کو یاد کرے۔ اس لحاظ سے یہ تینوں معانی ثابت ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں، فرمایا: **اتل ما أوحی الیک من الکتاب وأقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ أکبر** یعنی "تلاوت کرو اس کتاب سے جو تم پر وحی کی گئی، اور قائم کرو نماز، بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بدی سے، جبکہ اللہ کا ذکر کرنا زیادہ بڑا ہے" اہل علم کا ایک قول ہے کہ اس سے مراد ہے تم نماز میں اللہ کو یاد کرتے ہو جو کہ اس کے تم کو یاد کرنے کا نتیجہ ہے البتہ اللہ کا تم کو یاد کرنا تمہارے اللہ کو یاد کرنے کی نسبت عظیم تر ہے۔ یہ قول مروی ہے عبداللہ بن عباس، سلمان فارسی، ابوالدرداء، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے۔ ابن ابی الدنیا نے بروایت فضیل بن مرزوق عطیہ سے بیان کیا: **ولذکر اللہ أکبر** یعنی "اللہ کا یاد کرنا عظیم تر ہے" اس آیت سے متعلق ہے کہ **فاذکرونی أذکرکم** یعنی "تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں یاد کروں" پس اللہ کا تم کو یاد کرنا تمہارے اللہ کو یاد کرنے سے عظیم تر ہے۔ جبکہ ابن زید اور قتادہ کا قول ہے: اس سے مراد ہے اللہ کو یاد کرنا ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ سلمان فارسی سے دریافت کیا گیا: سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا: تم قرآن نہیں پڑھتے؟ **ولذکر اللہ أکبر** یعنی "اللہ کا ذکر کرنا عظیم تر ہے" ...... شیخ الاسلام قدس اللہ روحہ کہا کرتے تھے: صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نماز سے دو مقصود بیان کئے گئے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، یعنی نماز بے حیائی اور منکر سے روکتی ہے اور خدا کے ذکر پر مشتمل ہے۔ البتہ اس کا خدا کے ذکر پر مشتمل ہونا اس کے **نھی عن الفحشاء والمنکر** سے بڑھ کر ہے۔

سنن میں عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

انما جعل الطواف بالبیت وبین الصفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ تعالیٰ.

(رواہ ابو داود والترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

''نہیں ٹھہرایا گیا بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی اور کنکریاں مارنا مگر اللہ کے ذکر کے لئے''۔

(دیکھئے الوابل الصیب مؤلفہ ابن القیمؒ صفحہ ۱۰۲، طبعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ابن القیمؒ مزید لکھتے ہیں:

ہر عمل کے کرنے والوں میں افضل وہ شخص ہے جس نے اس عمل کو اللہ کے ذکر کا زیادہ سے زیادہ ذریعہ بنایا ہوگا۔ پس روزہ داروں میں سب سے افضل روزہ دار وہ ہوگا جس نے اپنے روزہ کے اندر زیادہ سے زیادہ خدا کی یاد پیدا کر لی ہوگی۔ صدقہ کرنے والوں میں سب سے بہتر صدقہ گزار وہ ہوں گے جنہوں نے صدقہ میں سب سے زیادہ خدا کی یاد پیدا کی ہوگی۔ حجاج کے مابین افضل ترین وہ ہوں گے جن کا حج زیادہ سے زیادہ خدا کا ذکر بن گیا ہو۔ وقس علیٰ ذلک۔

ابن ابی الدنیا نے اسی مفہوم سے ربط پر مبنی ایک حدیث مرسل بیان کی ہے، کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا: کونسی مسجد افضل تر ہے؟ فرمایا: جس میں خدا کی یاد و تذکرہ زیادہ ہو۔ دریافت کیا گیا: کونسا جنازہ زیادہ فضیلت والا ہے؟ فرمایا: جس میں اللہ کا سب سے زیادہ ذکر و یاددہانی ہو۔ دریافت کیا گیا: مجاہدین میں افضل کون ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر و تذکرہ کرے۔ پوچھا گیا: حجاج میں افضل کون ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ کی یاد کو زندہ کرے۔ پوچھا گیا: عبادت گزاروں میں سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: جو اللہ کی یاد میں سب سے بڑھ کر ہو''۔

(دیکھئے الوابل الصیب مؤلفہ ابن القیمؒ صفحہ ۱۰۳)

مزید لکھتے ہیں:

عبداللہ بن بسرؓ کی حدیث ہے، کہا: ایک اعرابی آیا اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! اسلام کے شعبے اور احکام وشرائع میرے لئے بہت زیادہ ہو گئے ہیں، مجھے کوئی ایسی جامع بات بتایئے جو مجھے خوب کفایت کر جائے؟ فرمایا: ''اللہ کی یاد کو لازم پکڑ لو''۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا یہ بات مجھے کفایت کر جائے گی؟ فرمایا: ''ہاں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر''۔

یوں آپؐ نے اس کو ایک ایسی کام کی بات بتا دی جس سے وہ خود بخود اسلام کے شرائع واحکام کی بجا آوری پر مدد پانے لگے اور اس میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرے۔ کیونکہ جب وہ اللہ کی یاد اور تذکرہ کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے گا تو وہ اللہ سے محبت کرنے لگے گا اور اللہ کو جو پسند ہے وہ اس کو پسند آنے لگے گا۔ جبکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ کے تقرب کا کوئی ذریعہ اللہ کو اس سے محبوب تر نہیں کہ اسی کے ٹھہرائے ہوئے شرائع کی بجا آوری ہو۔ یوں آپؐ نے اس کو ایک ایسی کام کی بات کا پتہ دے دیا جس سے وہ سب کے سب شرائعِ اسلام کے قیام میں مدد پائے اور دین کے یہ سب اعمال اس کیلئے آسان اور مؤثر ہو جائیں۔

(دیکھئے الوابل الصیب، مؤلفہ ابن القیمؒ، ۱۰۴)

ابن القیمؒ کا ایک اور طویل اقتباس دیکھ لینا اس موضوع پر نہایت مفید ہوگا، فرماتے ہیں:

ذکر دو طرح کا ہے:

۱) رب تعالیٰ کے ناموں اور صفتوں کا تذکرہ کرنا، اور ان دونوں کا ذکر کر کے اس کے گن گانا۔ علاوہ ازیں ہر ایسی بات سے جو اس کی شان اور مقام کے لائق نہیں اس کی تنزیہ اور اس کی تقدیس کرنا اور اس کی پاکی بیان کئے جانا، ذکر کی یہ صورت مزید دو قسموں میں منقسم ہے:

الف) ایک یہ کہ ذکر کرنے والا خدا کی تعریف میں خوب سے خوب پیرائے بیان کرے۔ احادیث میں (خدا کی تعریف اور تسبیح) کے جو بہت سے اذکار وارد ہوئے ہیں وہ اسی قسم سے ہیں: مثلاً یہ کہ (ہم یہاں ان اذکار کا اردو مفہوم دیں گے، گو اصل عربی میں ہے): پاکی اللہ کیلئے۔ تعریف اللہ کیلئے۔ نہیں کوئی لائقِ عبادت سوائے اللہ کے۔ اللہ سب سے بڑا ہے ...... بندے کا یوں کہنا: پاکی اللہ کی اس کی حمد وتعریف کے ساتھ، نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ تنہا ویکتا بلاشرکتِ غیرے، بادشاہی اس کی، تعریف اسی کی، اور وہ ہر چیز پر قادرِ مطلق۔ وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک اس قسم کا تعلق ہے تو اس میں افضل ترین وہ پیرائے ہیں جو جامع ترین ہوں۔ جیسے مثلاً: پاکی اللہ کی اتنی جتنی اس کی مخلوق کی تعداد ہو۔ ایسا کہنا محض یہ کہنے سے کہ پاکی اللہ کی، زیادہ فضیلت کا حامل ہوگا۔ اسی طرح محض یہ کہنے سے کہ تعریف اللہ کی، یہ کہنا زیادہ فضیلت رکھے گا: تعریف اللہ کی، اتنی جتنی مخلوق کی تعداد آسمان میں اور جتنی اس کی مخلوق زمین میں اور جتنی زمین اور آسمان کے مابین اور جتنی ابھی وہ پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ جویریہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبیﷺ نے ان سے فرمایا تھا: میں نے تمہارے بعد چار کلمات تین تین بار کہے ہیں جن کو تمہارے ان تمام اذکار کے مقابلے میں تولا جائے جو تم صبح سے کر رہی ہو تو وہ اس سے وزن میں بڑھ جائیں: پاکی اللہ کی، اتنی جتنی اس کی مخلوق کی تعداد۔ پاکی اللہ کی، اتنی جتنی اس کے نفس کو راضی کردے۔ پاکی اللہ کی،

اتنی جتنا اس کے عرش کا وزن۔ پاکی اللہ کی، اتنی جتنی اس کے کلمات کے لکھنے کو روشنائی (درکار) ہو۔ یہ روایت مسلم میں بیان ہوئی۔

ب) دوسری قسم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے متعلق امور کی بابت گفتگو کرنا۔ مثلاً آدمی کا اللہ کی بابت اس انداز میں گفتگو کرنا کہ 'اللہ ہر ہر بندے کی آواز سنتا ہے اور ان کی ایک ایک حرکت دیکھتا ہے اور کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ بات اس سے اوجھل نہیں رہتی۔ اور وہ بندوں پر ان کی ماؤں اور باپوں سے زیادہ مہربان ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بندہ اس کی طرف تائب ہو کر آئے تو وہ اس سے کہیں بڑھ کر خوش ہوتا ہے جتنا کوئی شخص صحرا میں اپنی گمشدہ سواری کے اچانک مل جانے پر خوش ہوسکتا ہے'۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس ذکر کا بہترین انداز یہ ہوگا کہ اللہ کے ایسے اوصاف بیان کئے جائیں جو خود اس نے اپنی بابت بیان کئے یا جو اس کے رسولؐ نے اس کی بابت بیان کئے، نہ آدمی اس میں اپنے پاس سے کوئی تحریف کرے، نہ تعطیل، نہ تشبیہ اور نہ تمثیل۔ تذکرۂ خداوندی کی اس قسم کی آگے مزید تین قسمیں ہیں: حمد، ثناء اور تمجید۔ حمد یہ ہے کہ آدمی اللہ کی صفاتِ کمال کا ذکر کر کر کے اور ایک خاص محبت اور رضاء وتسلیم ایسے محسوسات کے ساتھ اس کی تعریف کرے۔ یعنی صرف محبت ہونا حمد نہیں، حمد تب ہوگی جب آدمی محبت اور چاہت کے ساتھ اس کی خوبیوں کے تذکرے کرے۔ محض خوبیوں کے تذکرے حمد نہیں جب تک وہ ایک خاص محبت اور چاؤ کے ساتھ نہ ہو۔ پس ان دونوں چیزوں کے ملنے سے حمد وجود میں آتی ہے: دل میں احساسِ عقیدت ووارفتگی اور زبان پر اس کی خوبیوں کا بیان۔ یہ ہوئی حمد۔ ثنا کیا ہے؟ ابھی جس چیز کو ہم نے ''حمد'' کہا ہے یہ اگر بار بار اور دہرا دہرا کر

ہونے لگے تو وہ ثنا کہلاتی ہے۔ پھر یہ ''ثناء'' اگر خاص اُس کے جلال، اُس کی عظمت و کبریائی اور اُس کی پادشاہی ایسی صفات کے تذکروں پہ مبنی ہو تو وہ تمجید کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں انواع کو سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں اکٹھا کر دیا ہے۔ چنانچہ (حدیث کی رو سے) بندہ جب **الحمد لله رب العالمين** کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی ہے۔ پھر جب وہ کہتا ہے **الرحمن الرحيم** تو اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔ پھر جب وہ کہتا ہے **مالك يوم الدين** تو اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے میری تمجید کی ہے۔

۲) تذکرۂ خداوندی کی دوسری قسم ہے خدا کے امر و نہی اور اس کے احکام کا ذکر کرنا۔ یہ بھی آگے دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے: ایک یہ کہ اس کے امر و نہی کا بیان کرنا جیسے مثلاً یہ کہنا اللہ نے فلاں چیز کا حکم دیا ہے۔ فلاں چیز ممنوع ٹھہرائی ہے۔ فلاں بات اللہ کو محبوب ہے، فلاں بات اللہ کو ناپسند ہے۔ فلاں بات سے وہ خوب راضی ہوتا ہے، فلاں بات اس کو ناراض کر دینے والی ہے، وغیرہ۔ دوسری قسم ہے اس کے امر کے ذکر کے وقت اس کو اس طرح یاد کرنا کہ آدمی اس کے حکم کی بجا آوری کی جانب خود کو لپکتا ہوا پائے۔ اس کے نہی و ممانعت کا ذکر ہو تو آدمی اس ممنوعہ امر سے بھاگتا ہوا محسوس ہو۔ کیونکہ اس کے امر و نہی کا ذکر ایک چیز ہے اور اس امر و نہی کے وقت خود اس کا ذکر ایک اور چیز......

ذکر کی یہ سب انواع کسی وقت دل اور زبان دونوں سے ہوتی ہیں، جو کہ ذکر کی بہترین صورت ہے، اور کسی وقت صرف دل سے، جو کہ افضلیت میں دوسرے درجے پر ہے، اور کسی وقت صرف زبان سے جو کہ خوبی میں تیسرے درجے پر ہے۔ پس ذکر کی سب سے برگزیدہ حالت وہ ہے جس میں دل اور

زبان یک آواز ہوں۔ البتہ اکیلے اکیلے ہو جائیں تو صرف دل سے کیا گیا ذکر صرف زبان سے کئے گئے ذکر سے افضل ہے۔ کیونکہ دل سے کیا گیا ذکرِ خداوندی، فہم وعرفان کے پھل دیتا ہے۔ محبتِ خداوندی کو مہمیز دیتا ہے، خدا سے حیاء دلانے کا باعث بنتا ہے، خدا کا خوف پیدا کرتا ہے، خدا کی جانب توجہ اور خود کو ہر دم خدا کی نگاہ میں پائے جانے کا احساس برآمد کراتا ہے، خدا کے حق میں قصور اور کوتاہی سے آدمی کو باز رکھتا اور گناہوں اور بدکاریوں کو معمولی جاننے میں اس کیلئے رکاوٹ بنتا ہے۔ جبکہ صرف زبان سے کیا گیا ذکر یہ سب کچھ اس طرح پیدا نہیں کرتا، لہذا اس کا ثمر بھی اتنا ہی کمزور رہتا ہے۔

(الوابل الصیب، صفحہ ۱۱۷-۱۱۹)

اسی فصل میں آگے چل کر امام ابن القیم لکھتے ہیں:

"چونکہ نماز میں قرأتِ قرآن بھی ہے، ذکر بھی اور دعاء بھی، اور یوں نماز میں عبودیت کے متعدد اجزاء بکبارگی اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کمال انداز میں اور نہایت خوبصورت ہیئتوں میں مجتمع ہوتے ہیں، اس لئے نماز اکیلی قرأت سے بھی بہتر ہوئی، اکیلے ذکر سے بھی اور اکیلی دعاء سے بھی۔ کیونکہ یہ سب نیکیاں نماز میں ایک ہی جگہ آملتی ہیں، جبکہ اعضاء وجوارح کی بندگی وعاجزی اس پر مستزاد!!!

(الوابل الصیب، صفحہ ۱۲۲)

☆☆☆☆☆

اب یہاں ایک طویل اقتباس ذکر کو عقیدہ سے برآمد کرنے اور پھر اس کو عمل اور جہاد کی جہتوں سے آشنا کرانے کے موضوع پر ہم محمد قطب کی ایک تحریر سے لیں گے:

یہ وہ لوگ تھے جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے خدا کی جانب متوجہ اور خدا کی یاد میں محو ہوتے۔ صحابہؓ کا خدا کی یاد اور خدا کے ذکر میں محو ہونا کس طرح تھا؟ کیا یہ وہ ذکر ہے جو آدمی کو 'فنا' تک لے جاتا ہے جیسا کہ صوفیہ کے ہاں ملتا ہے جو کہ 'فنا' کو ہی وجود کی

اصل حقیقت قرار دیتے ہیں؟ یا یہ وہ ذکر ہے جو انسان کی تمام تر چستی اور توانائی کو ایک جیتے جاگتے معاشرے میں متحرک کرتی ہے اور ایک بھرپور زندگی کے اندر اس کو خدا کی خوشنودگی پانے پر تیار کرتی ہے؟

وہ خدا کو ہر دم یاد کرتے اور اپنے آپ سے سوال کرتے کہ خدا اُن سے عین اس لمحے کیا چاہتا ہے؟ اس سوال کا جواب جس لمحہ 'جہاد فی سبیل اللہ' ہوتا یہ 'ذکر' اس لمحہ ان سے جہاد فی سبیل اللہ کروا رہا ہوتا تھا......جس لمحہ اس سوال کا جواب 'علم وآگہی کا حصول' ہوتا اور جو کہ ہر مسلم پر فرض ہے یہ 'ذکر' اس لمحہ ان کو علم کے حصول پر مجبور کر رہا ہوتا تھا......جس لمحہ اس سوال کا جواب رزق حلال کا حصول ہوتا یا انفاق فی سبیل اللہ ہوتا یا زمین کی خدائی نقشے پر تعمیر وآبادی ہوتا اس لمحہ یہ ذکر ان سے یہ سب کام کروا رہا ہوتا تھا......جس لمحہ اس سوال کا جواب ''**عاشروهن بالمعروف**''[(۱)] ہوتا اس لمحہ وہ اس فرض کی ادائیگی کو خدا کے ذکر کا تقاضا سمجھتے ......یہی حال ان کا دین کے سب فرائض اور زندگی کے سب میدانوں میں ''خدا کے ذکر'' کی بابت تھا۔

وہ خدا کو ہر دم یاد کرتے اور اپنے آپ سے سوال کرتے کہ خدا کی چاہت پوری کرنے میں وہ اب تک کیا کر پائے ہیں اور یہ کہ وہ جس حال میں ہیں وہ خدا کو خوش کر دینے والا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب اثبات میں پاتے تو خدا کی حمد اور تعریف اور شکر کرنے میں لگ جاتے اور اس کا تقرب پانے میں اس سے بھی بڑھ کر مصروف عمل ہو جانے کے متمنی و کوشاں ہوتے اور اگر وہ اس کا جواب کسی وقت نفی میں پاتے تو 'خدا کی یاد' ان سے استغفار کروانے لگتی! یعنی اس حال میں بھی وہ خدا کو یاد کرتے مگر اس لئے کہ وہ اپنے اس حال سے، جس میں خدا ان کو دیکھنا نہیں چاہتا، نکل

---

(۱) النساء:۱۹ ''اور ان سے (عورتوں سے) اچھا برتاؤ کرو''

آ ئیں۔ یہ چیز بھی ان کیلئے 'خدا کا ذکر' کرنا تھا!

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُوْلَـئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ

(آل عمران: ۱۳۵۔۱۳۶)

اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ ان کو یاد آ جاتا ہے۔ تب وہ اس سے اپنے قصوروں کی معافی مانگنے لگتے ہیں ___ اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہ معاف کر دے ___ جبکہ وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا انکے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے، ایسے نیک عمل کرنے والوں کیلئے

اب ذرا انہی آیات کو دیکھ لیجئے جن میں صحابہؓ کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے 'خدا کے ذکر' میں مشغول ہونا بیان ہوا ہے......

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ

(آل عمران: ۱۹۱)

وہ جو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت پر غور کرتے ہیں

اس لمحہ خدا کی یاد میں محو ہونے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ زمین اور آسمان کی ساخت میں بھی ذرا غور کریں اور یوں وہ زمین اور آسمانوں کی ساخت میں اور ان کے مابین جو جہان پائے جاتے ہیں ان کی تخلیق اور پیدائش کے معاملہ میں کسی 'مقصد' اور 'غایت' تک پہنچیں اور اس کارخانۂ ہستی میں جو 'حق' ایک خاموشی کی زبان میں محو گفتگو ہے اس سے شناسائی حاصل کریں۔

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (التغابن:٣)	اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے، اور اسی کی طرف آخرکار تمہیں پلٹنا ہے
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ (ص:٢٧)	ہم نے آسمان اور زمین کو اور اس جہان کو جو ان کے درمیان ہے، فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے، اور ایسے کافروں کیلئے بربادی ہے جہنم کی آگ سے

چنانچہ یہ لوگ خدا نے ان کو جو علم عطا کیا ہے اس علم کی بنا پر اور کائنات اور انسانی زندگی کے اندر جو خدائی سنتیں اور خدائی قوانین کارفرما ہیں ان کے تجزیہ ومشاہدہ کی بنا پر اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ اس کارخانۂ حیات کا وجود عبث اور بے مقصد ہو یہ ممکن ہی نہیں اور یہ کہ اس کی ایک ایک جزئیات میں جب بے پناہ حکمتیں پائی جاتی ہیں پھر یہ 'کل' ایک عبثِ محض کیونکر ہوسکتا ہے...... پھر جب وہ اس نتیجے تک پہنچتے ہیں تب یہ دُنیا کی زندگانی ان کی نظر میں منتہائے وجود نہیں رہتی۔ نہ ان کی نظر میں یہ ممکن ہی رہتا ہے کہ یہ دینا ہی وجود کا نقطۂ آخرین ہو۔ کتنے انسان اس ہنگامۂ حیات میں مخلوق پر ظلم وقہر ڈھاتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک ظلم کئے جاتے ہیں۔ کتنے انسان یہاں ظلم سہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک ظلم سہے جاتے ہیں۔ اگر یہ دُنیا کی زندگانی ہی منتہائے وجود ہے تو پھر ''حق'' یہاں کہاں ہے؟؟ پھر تو یہ عبث اور باطل ہوگی کہ اس میں 'حق' ہی روپوش ہے۔

اب یہاں ان کا 'خدا کا ذکر' کرنا اور تخلیق میں چھپے ہوئے 'حق' پر ان کا غور وفکر کرنا ان کے شعور و وجدان کو یوم آخرت کی جانب لے چلتا ہے۔ جہاں وہ جنت اور جہنم کو موجود پاتے ہیں۔ تب وہ جہنم سے خدا کی پناہ مانگنے لگ جاتے ہیں:

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار (آل عمران:۱۹۱)	اور وہ آسمان وزمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں (تب وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ''پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے (اس سے کہ عبث کام کرے) پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے

آگ کے ذکر پر آگ سے خوفزدہ ہونا اس ایمان کا تقاضا ہے۔ اب یہ اس آگ سے نجات کا پروانہ پانے کیلئے یہیں دُعا گو ہونے لگتے ہیں۔ یوں یہ 'ذکر' 'دُعا' میں بدل جاتا ہے:

رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَار (آل عمران:۱۹۱)	''خدایا! تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ہی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''

پھر ان کی نگاہ متلاشی ہونے لگتی ہے کہ وہ مالک کے حضور میں کیا پیش کریں جو ان کی خلاصی اور کامیابی کیلئے سفارش کا کام دے سکے اور ان کو خدا کے ہاں سرفراز کردے:

رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِي لِلإِيمَانِ أَنْ آمِنُواْ بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الأبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلاَ تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيعَاد (آل عمران:۱۹۳۔۱۹۴)	''مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کرلی۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کردے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوندا! جو وعدے تو نے رسولوں کے ذریعے سے کئے ہیں، ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے روز ہمیں رسوائی میں نہ ڈال۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے''

فاستجاب لهم ربهم......

تب خدا کی طرف سے جواب آتا ہے!

خدا ان کی اس گریہ زاری اور اس مناجات کو باریابی بخشتا ہے۔ مگر کلام کی خوبصورتی دیکھئے۔ خدا کس چیز کو باریابی بخشتا ہے؟ کیا محض ذکر کرنے کو؟ کیا محض ان کے غور وفکر کرنے کو؟ کیا محض تدبر اور تفکر کرنے کا ان کو یہ صلہ دیتا ہے؟ کیا محض گریہ زاری کا یہ جواب دیتا ہے؟ یہ سب کچھ ایک مومن سے بلاشبہ مطلوب ہے مگر دیکھئے جواب میں کیا آتا ہے:

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ أَنِّیۡ لَا أُضِیۡعُ عَـمَـلَ عَـامِـلٍ مِّـنۡكُم مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَـى بَـعۡـضُكُم مِّن بَعۡضٍ فَالَّذِيۡنَ هَـاجَـرُواۡ وَأُخۡـرِجُـواۡ مِن دِيَارِهِـمۡ وَأُوذُواۡ فِـيۡ سَبِيۡلِيۡ وَقَاتَلُواۡ وَقُتِلُواۡ لَأُكَـفِّـرَنَّ عَـنۡـهُـمۡ سَيِّـئَـاتِـهِـمۡ وَلَأُدۡخِـلَـنَّـهُـمۡ جَـنَّـاتٍ تَجۡرِيۡ مِن تَـحۡتِـهَـا الۡأَنۡهَارُ ثَوَاباً مِّن عِندِ اللّهِ وَاللّهُ عِندَهُ حُسۡنُ الثَّوَاب (آل عمران:۱۹۵)	جواب میں اُن کا رب فرماتا ہے: ”میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے“

یہاں ہے 'تربیت' سے متعلق وہ درس جو ان آیات میں دیا گیا ہے۔ آیات میں یہ بات شروع جس چیز سے کی گئی وہ صحابہؓ کا یہ وصف ہے جو یہاں بیان ہوا ”وہ جو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے خدا کا ذکر کرتے اور خدا کی یاد میں محو رہتے ہیں“ ......مگر اس ذکر کی ماہیت کیا ہے؟ یہ وہ ذکر ہے جو ایک جیتی جاگتی اور حرکت وعمل سے پر زندگی کو جنم دیتا ہے۔ یہ وہ ذکر ہے جو زمین کے اندر ہلچل برپا کرتا ہے...... یہ

ہجرتوں میں لگے ہوئے لوگ ...... یہ دیس نکالا پانے والے انسان ...... یہ لوگ جو خدا کی خاطر اور اس کے مشن کی تکمیل کی راہ میں اذیت پاتے اور اذیت سہتے ہیں ...... اور اس پر صابر و ثابت قدم رہتے ہیں ...... یہ باطل سے برسرِ پیکار لوگ اور خدا کی خاطر موت کو گلے لگا لینے والے انسان ...... **فاستجاب لهم ربهم** خدا ان کی پکار سن لیتا ہے اور ان کی مناجات کو شرف باریابی بخش دیتا ہے!

'ذکر' کے کچھ ایسے ہی تصور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کی صورت گری کی تھی، سب سے پہلے اپنی شخصیتِ بابرکات کے اسوہ سے مدد لے کر، پھر ارشاد اور تلقین اور تعلیم سے کام لے کر اور پھر ایک مسلسل نگرانی، محنت اور احتساب کی راہ سے ...... یہاں تک کہ وہ انسانی بلندی کی ان سطحوں کو چھونے لگے جن کی تاریخ میں واقعتاً کہیں مثال نہیں ملتی۔

(''دعوت کا منہج کیا ہو؟'' صفحہ ۱۷۲-۱۷۶، یکے از مطبوعات ایقاظ اردو استفادہ ''کیف ندعو الناس'' مؤلفہ محمد قطب)

☆☆☆☆☆

اخلاقی جہتیں

'اخلاق' ہمیشہ سے دنیا کا ایک بڑا موضوع رہا ہے۔ فلسفیوں سے لے کر معاشرتی مصلحین تک اور 'مذہب' و 'دھرم' کے بانیوں اور مبلغوں سے سماجی تنظیم کاروں اور تعلیمی ماہرین تک، 'اخلاق' کی بابت اپنے اپنے نظریات پیش کرنے میں کوئی پیچھے نہیں رہا۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں انبیاء اور شرائعِ خداوندی کا بھی یہ ایک نہایت اہم موضوع رہا ہے۔ جب ایسا ہے تو مسئلہ محض 'اخلاق میں ترقی لانا' نہیں، گو مسلم نوجوانوں کی محنت کا یہ ایک بڑا میدان رہے گا، بلکہ سب سے پہلے اس درست بنیاد کو اختیار کرنا ہوگا جو 'اخلاق' کے موضوع پر ہمیں دینِ انبیاء سے ملتی اور دینِ انبیاء تک پہنچاتی ہے......

باوجود اس کے کہ 'اخلاقی رویوں' کی بابت بہت سی تفصیلات میں قریب قریب دنیا کے سبھی فلسفوں، مذہبوں اور دھرموں کے مابین مشترک امور کی ایک طویل فہرست بنتی ہے، حتیٰ کہ اسلام کے دیے ہوئے اخلاقی رویوں کے ساتھ بھی بے شمار جگہوں پر ان کا ایک اشتراک ہے، اور یہی وجہ ہے جو بہت سے لوگ آج یہ رائے اختیار کئے نظر آتے ہیں کہ سب کے سب مذاہب کا ایک ہی اصل موضوع ہے اور اسی 'اصل موضوع' کی بنا پر ہی ہر مذہب کا ایک 'عادِ اعظم' highest common factor نکال لیا جانا چاہیے اور اس کے سوا ہر مذہب کے بقیہ امور، جو کہ عموماً 'اختلافی' ہوتے ہیں، پس منظر میں چلے جانے چاہییں! یہاں تک کہ اپنے ہاں کے کئی ایک منحرف جدت پسند دینی حلقے آج اس بات کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں کہ پرائمری میں بچے کو صرف 'اخلاق' کی تعلیم دی جانی

چاہیے تا کہ وہ 'مذہب' کی 'اصل روح' کو ہی پہلے پالے اور اقوامِ عالم کے ساتھ ایک 'انسانی اشتراک' ہی سے زیادہ سے زیادہ مانوس ہو اور یہ کہ ایسا ہو جانے کے بعد ہی، بعد کی جماعتوں میں اس کو 'مذہب' کی 'دیگر' تعلیمات پڑھائی جائیں......!

یہی وہ نقطہ ہے جو وحدتِ ادیان اور تقاربِ ادیان کے داعیوں کو ان کے تئیں ایک زبردست 'علمی' اور 'اخلاقی' بنیاد فراہم کرتا ہے......!

باوجود مذاہب میں پائے جانے والے اس اخلاقی اشتراک کے جو آج بہت سے اہواء پرستوں کے بہک جانے کا سبب بنا ہے، اصل محنت طلب بات ہمارے نوجوانوں کیلئے صرف یہی نہ ہوگی کہ وہ اپنے عمل اور تحریک کے اخلاقی جوانب کو نہایت پختہ و پرکشش بنائیں، بلکہ اس سے زیادہ محنت طلب بات یہ ہوگی کہ وہ اپنی اور اپنے معاشرے کی اس اخلاقی کایا پلٹ کو عین اس بنیاد سے برآمد کریں جو کہ منہجِ رسل کا ان سے تقاضا ہے، اور جس کی ابتدا حقیقتِ توحید ہے۔

؎ خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ!

☆☆☆☆☆

معتزلہ کے ہاں تحسین (اشیاء کا خوب ہونا) اور تقبیح (اشیاء کا بد ہونا) عقل سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ شرع سے۔ اشاعرہ کے ہاں تحسین اور تقبیح کی بنیاد صرف اور صرف شرع ہے نہ کہ عقل۔ جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اہلسنت کا موقف بیان کرتے ہوئے واضح فرماتے ہیں کہ یہ ہر دو اقوال سلف سے ثابت نہیں۔

اہلسنت کے نزدیک اشیاء کا حسن و قبح عقل سے بھی معلوم ہوتا ہے اور شرع سے بھی، جبکہ شرع عقل کی توثیق بھی کرتی ہے اور تصویب بھی اور عقل کا تزکیہ و راہنمائی بھی، ہاں یہ ضرور ہے کہ اشیاء کی حلت و حرمت اور وجوب، اور ان کی بنیاد پر بندوں کا مستوجب عذاب ہونا تب تک ثابت نہیں ہوتا جب تک شرع ہی آ کر اس کو ثابت نہ کر دے۔ علاوہ ازیں عقول میں اگر کوئی اختلاف، ابہام، قصور یا تفاوت پایا جائے تو شرع وہاں حکم ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام

منہجِ اہلسنت کی بابت صراحت فرماتے ہیں کہ شرع کو عقل پر مقدم رکھا جائے گا البتہ تحسین اور تقبیح کے معاملہ میں عقل اور فطرت کا کردار معطل نہ مانا جائے گا۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: معتزلہ کے قول سے لازم آتا ہے کہ خالق کی تحسین اور تقبیح مخلوق کی تحسین اور تقبیح کے تابع ہو اور خدا کی حکمت اور دانائی مخلوق کی حکمت و دانائی جیسی ہی ہو اور یہ کہ اشیاء کی صحت اور سقم کا تعین کرنے میں شرع ایک زائد از ضرورت چیز سمجھی جائے۔ یوں وحی، معتزلہ کے قول کی رو سے، معاذ اللہ، ایک فضول چیز مانی جائے گی۔ غرض معتزلہ کے قول کا بطلان خود بخود واضح ہے۔

آج کے وہ طبقے جو 'اخلاق' کی صورت میں مذہب کا 'خلاصہ' نکالنے کے چکر میں ہیں اور اسی کو وہ سب 'مذاہب' اور 'اخلاقی فلسفوں' کے مابین قدرِ مشترک مانتے ہوئے اہم تر اور نمایاں تر کرنے کے داعی ہیں، حتی کہ اس ذہن کے بعض لوگ گلوبلائزیشن کے آنے والے دور کیلئے 'مذہب' کا ایک عالمی ایڈیشن بھی مرتب کرنے کے مشن پر ہیں اور اس مقصد کیلئے ہر مذہب کے دانشوروں کی ایک کثیر تعداد کو اس وقت یہی آہنگ بلند کرنے کی راہ دکھا رہے ہیں...... درحقیقت اسی ذہنیت کی پرورش کر رہے ہیں جو وحی کو ایک زائد از ضرورت چیز مانتی ہے، جس کے نزدیک 'مذہب' دراصل وہ چیز ہے جس کا ادراک تو انسان کو آپ سے آپ ہوتا ہے مانند ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا، ناپ تول پورا کرنا اور خیانت سے باز رہنا، کسی کو اذیت نہ پہنچانا، ناحق خون نہ کرنا، خندہ روئی کے ساتھ ملنا، دوسرے کی زیادتی پر صبر و برداشت سے کام لینا وغیرہ وغیرہ.. البتہ اس کو 'مذہب' قرار دینے کے کچھ اور فوائد ہو سکتے ہیں! یہ ذہنیت دنیا کے اندر نزولِ کتب اور بعثتِ انبیاء ایسے برگزیدہ ترین وقائع کا کیا مول لگاتی ہے، آپ سے آپ واضح ہے۔ گویا انبیاء دنیا کو ایک ایسی بات بتانے اور پڑھانے جا رہے ہیں جو دنیا ویسے ہی جانتی ہے! رہی انبیاء کی وہ بات جسے دنیا نہیں جانتی یا جس کو جاننے پر دنیا 'تیار' نہیں، تو وہ ویسے ہی اتنی زیادہ اہم نہیں اور بڑے آرام سے پس منظر میں دھکیلی جا سکتی ہے!

دوسری طرف اشاعرہ کا یہ کہنا کہ تحسین اور تقبیح کی بنیاد صرف اور صرف شرع ہے اور عقل سے اس امر کو کچھ علاقہ نہیں، درحقیقت معتزلہ کی گمراہی کے خلاف ایک قسم کا ردعمل ہے۔ ابن تیمیہؒ اس موقف کے رد میں فرماتے ہیں: ایسا نہیں کہ نفس الامر میں ہر دو اشیاء برابر ہوں اور اللہ نے ان میں سے ایک کا 'بس' حکم دے دیا ہو اور دوسری سے 'بس' روک دیا ہو! ایسا نہیں کہ اس نے محض اپنی مرضی سے تقویٰ کو فرض ٹھہرا دیا اور بدکاری کو ممنوع، یوں کہ اس کی مرضی ہوتی تو وہ تقویٰ کو ممنوع ٹھہرا دیتا اور بدکاری کو فرض! معاذ اللہ۔ یعنی اس طرزِ تفکیر کی رو سے...... نہ معروف فی نفسہ معروف ہوا اور نہ منکر فی نفسہ منکر، نہ طیبات فی نفسہ طیبات ہوئیں اور نہ خبائث فی نفسہ خبائث، بلکہ معروف کو معروف، منکر کو منکر، طیبات کو طیبات اور خبائث کو خبائث جس چیز نے بنایا وہ محض اور محض شریعت میں اس کا حکم آ جانا یا اس کی ممانعت ہو جانا ہے! یہ اندازِ فکر بھی بہر حال ایک انحراف ہے۔ نبی ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان:

یأمرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر، ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث (الاعراف:۱۵۷) یعنی "وہ ان کو حکم دیتا ہے معروف کا اور روکتا ہے منکر سے، حلال ٹھہراتا ہے ان کیلئے طیبات اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر خبائث"...... ابن تیمیہ کہتے ہیں: (اشاعرہ کے) اس اندازفکر کی رو سے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ "وہ حکم دیتا ہے ان کو معروف کا" بلکہ گویا یہ کہا جائے گا: 'وہ حکم دیتا ہے ان کو اس چیز کا جس کا بھی حکم دے'! اور بجائے اس کے کہ کہا جائے "وہ روکتا ہے ان کو منکر سے" یہ کہا جائے گا: "وہ روکتا ہے ان کو جس چیز سے بھی روکے'! اسی طرح بجائے یہ کہنے کے "وہ حلال ٹھہراتا ہے ان کیلئے طیبات اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر خبائث" اس طرز فکر کی رو سے یہ کہنا بنتا ہے: 'وہ حلال ٹھہراتا ہے ان پر جس بھی چیز کو حلال ٹھہرائے اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر جس بھی چیز کو حرام ٹھہرائے'!

قرآن میں متعدد مقامات پر شرعی امور کی بابت ایک توجیہ بھی ساتھ کی جاتی ہے اور ایک معنیٰ میں عقل سے اس کیلئے گویا ایک شہادت دلوائی جاتی ہے۔ ابن تیمیہ اس کی مثالیں دیتے ہوئے کئی قرآنی آیتیں پیش کرتے ہیں:

قل إن الله لا يأمر بالفحشاء (الأعراف:۲۸) ''کہو، اللہ تو بے حیائی کا حکم نہیں دیتا''...... پس یہاں اللہ نے اپنے آپ کو اس بات سے منزہ ومبرا اقرار دیا کہ وہ کسی بے حیائی کا حکم دے۔

أم حسب الذين اجترحوا السيئات أن نجعلهم كالذين آمنوا وعملوا الصالحات سواءً محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون (الجاثیہ:۲۱) ''کیا وہ لوگ جو بے دھڑک بدکاریاں کرتے ہیں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم ان کو ویسا ہی کر رکھیں جیسا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے، ایک سی زندگی اور ایک سی موت؟؟؟ بہت برا ہے جو یہ حکم لگاتے ہیں''...... **أفنجعل المسلمين كالمجرمين مالكم كيف تحكمون** (القلم:۲۵-۲۶) ''تو کیا ہم کر دیں گے فرماں برداروں کو مانند مجرموں کے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسا حکم لگاتے ہو؟!''...... یہاں اللہ نے اپنے آپ کو اس بات سے مبرا اقرار دیا کہ وہ مومنوں اور بدکاروں کا ایک سا انجام ہو جانے دے اور اس کو باعث تعجب گردانا کہ کوئی شخص اس معاملہ کی بابت ایسی سوچ رکھے۔

مالكم كيف تحكمون...... یہ اندازِ خطاب بہت واضح ہے۔ شریعت کے سب کے سب امور کی بابت اگر ایسا ہوتا کہ بس یہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے امور ہیں اور عقل انسانی ان کا کوئی ادراک کر ہی نہیں سکتی اور نہ عقل کو ایسی کوئی کوشش کبھی کرنی چاہیے تو ظاہر ہے قرآنی اسلوب میں اس انداز سے سوالات انسان کے سامنے نہ لائے جاتے۔ جبکہ اس اسلوب سے جو قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان شرعی حقائق کو جاننے اور ماننے میں اپنے عقلی وفکری قویٰ کو بھی بھرپور طور پر کام میں لائے اور اپنی فطرت کی مدد سے اس کو خوب سراہے۔

اس بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ احکامِ شریعت کی سہ گانہ تقسیم کرتے ہیں:

الف) شریعت نے کسی ایسے فعل کا حکم دیا ہو جس کی مصلحت، یا کسی فعل سے روکا ہو جس کی مفسدت، واضح ہو۔ جیسا کہ شریعت میں نہ بھی آیا ہو تو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ عدل میں

تمام عالم کی صلاح وخیر ہے اور ظلم میں فساد وشر۔ یہ وہ قسم ہے جس میں تحسین اور تقبیح شرع سے بھی ہوتی ہے اور عقل سے بھی۔

ب) دوسری قسم ایسے امور کی ہے کہ شارع نے جب کسی چیز کا حکم دے دیا تو وہ خوب ہوگی اور جب کسی چیز سے روک دیا تو وہ بد ہوگی۔ اس قسم میں آنے والے امور اپنے حسن وقبح کی صفت صرف اور صرف شریعت سے لیں گے۔ یعنی تحسین اور تقبیح صرف اور صرف شرعی ہوگی۔

ج) تیسری قسم یہ کہ شارع بندے کو کسی چیز کا حکم دے اور مقصد صرف یہ دیکھنا ہو آیا بندہ فرماں برداری کرتا ہے یا نہیں، جبکہ اس پر عملدرآمد کروانا شارع کا مقصد ہی نہ ہو۔ جس طرح کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کر ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب دونوں باپ بیٹا فرماں برداری دکھا چکے اور ابراہیمؑ نے بیٹا ماتھے کے بل لٹا لیا تو اس حکم کا مقصد پورا ہوگیا اور تب 'ذبحِ عظیم' سے اس کا فدیہ دلوا دیا گیا۔ اسی طرح جیسے مثلاً کوڑھی، گنجے اور اندھے والی حدیث میں فرشتے نے ان میں ایک ایک سے مال طلب کیا تھا پھر جب اندھے نے اس کی طلب پر لبیک کہی تو فرشتے نے اس کو کہا: 'اپنا مال پاس رکھو، یہ تو محض تم لوگوں کو آزمایا جا رہا تھا، اللہ تم سے راضی ہوا البتہ تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا'۔ پس یہاں حکمتِ خداوندی نفس امر (حکمِ خداوندی) میں ہے نہ کہ مامور بہ (جس چیز کا حکم دیا گیا) میں۔

ان تینوں اقسام کو ذکر کر دینے کے بعد ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''یہ جو آخری دونوں قسمیں ہیں ان کو معتزلہ نہیں سمجھے اور یہ مذہب اختیار کیا کہ حسن اور قبح کسی فعل کی اپنی ہی ذاتی صفت ہے اور وہ شریعت کے آنے یا نہ آنے پر منحصر نہیں۔ جبکہ اشاعرہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ پوری کی پوری شریعت ہی از قسم امتحان ہے اور یہ کہ افعال کی اپنی کوئی صفت (حسن و قبح) ہے ہی نہیں نہ شریعت سے پہلے اور نہ شریعت کے بعد۔ رہ گئے حکماء اور جمہور امت تو انہوں نے ان

تینوں اقسام ہی کو تسلیم کیا ہے، اور یہی بات صحیح ہے''۔ (۱)

☆☆☆☆☆

یہ مذکورہ بالا بحث جو تحسین و تقبیح کی بابت منہجِ اہلسنت کے بیان میں کی گئی، مکارمِ اخلاق اور حسنِ سیرت وکردار کی بابت ہمارے نوجوانوں کو ایک زبردست بنیاد فراہم کرتی ہے اور عمل کی بے حد خوبصورت جہتیں برآمد کراتی ہے......

اس کی بدولت نہ صرف یہ کہ مسئلۂ اخلاق ''عقیدہ'' سے پھوٹتا ہے اور خدا کے درست تعارف اور حقیقتِ بندگی کی صحیح پہنچان کے ساتھ وابستہ ہو جاتا اور خدا کے فرستادہ نمونہ انسانوں کی اتالیقی اختیار کرواتا ہے...... اور نہ صرف انبیاء اور شرائع کی حاکمانہ حیثیت انسانوں کے ہاں پائی جانے والی سب کی سب اخلاقی قدروں اور سماجی رویوں پر مسلّم ٹھہرتی ہے...... بلکہ اس میں وہ عقلی، فطری اور وجدانی جہتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں جو مسلم اخلاق کو اور بھی رشکِ خلائق بنا دیتی ہیں۔

''دین اسلام'' میں یقیناً بے شمار باتیں ایسی ہوں گی جو دوسرے 'مذاہب' میں بھی پائی جاتی ہوں گی، یا جو بہت سے سماجی فلسفوں کے اندر بھی مانی جاتی رہی ہوں گی، یا جو 'عقلِ عام' سے بھی سمجھ میں آ جانے والی ہوں گی۔ ایسے سب مقامات جہاں اسلام اور غیر اسلام کے مابین بظاہر ایک 'اشتراک' پایا گیا ہو، ایسے مقامات تو خاص طور پر اس لائق ہیں کہ ان کی وہ بنیادیں ایک مسلمان کے ذہن میں واضح ہوں جن کو اس کے دین میں اختیار کرایا جانا ہو۔ ایسے 'اشتراک' کے مقامات پر، وہ بغور دیکھے، تو ہوسکتا ہے وہ اسلام کے ایسے ایسے ''امتیازات'' سے متعارف ہو کہ رسولوں کی لائی ہوئی روشنی پر داد دینے کے سوا اس کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہ رہے!

☆☆☆☆☆

(۱) دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۸ صفحہ ۴۱۳ تا ۴۳۶۔ اس مسئلہ کی تفصیل کسی اور مقام پر بیان ہوگی، یہاں صرف مسئلۂ اخلاق کی ایک جہت بیان کرنے کیلئے اہلسنت کا یہ موقف ذکر کیا گیا ہے۔

بہرحال جہاں اخلاق کی عقائدی بنیادیں ہمارے اس وقت کے تحریکی خطاب میں بہت کم توجہ پا رہی ہیں، وہاں اخلاقی قدروں اور رویوں کی عقلی و وجدانی جہتیں بھی محنت اور توجہ سے بڑی حد تک محروم ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اخلاق اور کردار پر محنت جہاں دیکھنے میں آ بھی رہی ہے، وہاں بھی محسوس ہوتا ہے گویا اسلامی کردار اور سیرت وسلوک کچھ جامد قسم کے قالبوں میں کس دیے گئے ہیں اور یہ اپنی اس بے ساختگی اور اپنے اس قدرتی حسن سے بڑی حد تک محروم ہوگئے ہیں جو اِن کی فطری وشعوری جہتوں کو نمایاں کرنے سے ہی ظہور پا سکتا تھا۔ بلکہ کہیں کہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ایک مشینی انداز یا پھر کچھ خشک رویوں کا سا اسلوب غالب آنے لگا ہے۔ یہاں اس مقام پر ہم اس موضوع کی تفصیل میں نہ جاسکیں گے۔ اخلاق کی عقائدی اور فطری جہتوں پر البتہ ہم اپنی زیر تالیف تحریر ''عقیدہ سے تہذیب اور اخلاق تک''[۱] میں قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

پس یہ واضح ہو کہ ابتدائے اسلام میں مسلم 'سیرت و کردار'، اقوامِ عالم کیلئے مسلم 'عقیدہ' ہی کی طرح ایک بے حد خوبصورت اور دل کش چیز ہوگئی تھی اور ملکوں کے ملک اس کے باعث مفتوح ہوتے چلے گئے تھے، تو اس واقعہ کے پیچھے وہ بہت سے قلبی و وجدانی حقائق بھی کارفرما تھے، علاوہ شرعی وعقائدی بنیادوں کے، جن کو سمجھنا اور اپنی اس نئی اسلامی بیداری کے عمل کی بنیاد بنانا ہمارے لئے بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

'اَخلاق' اور 'سلوک' کا خاصا بڑا حصہ چونکہ 'عقل' کی مدد سے ادراک میں آجاتا ہے، پھر 'انسانی ضمیر' اسی اخلاقی وسلوکی عمل کیلئے ایک بہت بڑی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور 'انسانی احساسات' کو بھی اس میں بہرحال ایک بہت بڑا دخل حاصل ہے، جبکہ شریعت نے ان سب امور کی نہ صرف یہ کہ نفی نہیں کی ہے بلکہ حوصلہ افزائی کی ہے، جیسا کہ پیچھے ہم دیکھ

(۱) اس کا کچھ حصہ ایقاظ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء کے اداریہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

آئے ہیں...... تو یہاں سے دنیا کے عقلاء کے مابین، جو کہ انبیاء کے دین کی جانب تحاکم اور رجوع نہیں کرتے، انسانی نفس اور انسانی معاشرے کے سامنے 'اخلاقی تقاضے' رکھنے کے معاملہ میں ایک بہت بڑا اختلاف اٹھ کھڑا ہوجاتا رہا ہے...... اور افراط وتفریط کی بہت سی صورتیں سامنے آجاتی رہی ہیں۔

معاملہ یہ ہے کہ 'عقل'، 'ضمیر'، 'حقوق'، 'واجبات'، 'قانون'، 'عدالت'، 'رضاکاری'، 'پابندی'...... بے شمار عوامل ایسے ہیں جن کی سرحدیں بہت سی جگہوں پر گڈمڈ ہوجاتی ہیں اور نتیجتاً 'اخلاق' کا مسئلہ ایک چیستان کی حیثیت اختیار کرجاتا ہے، خصوصاً جبکہ دنیا کے سب فلسفے بلکہ 'مذاہب' تک 'مسئلۂ خیر وشر' پر ہی انسانی فکر کو مطمئن نہیں کرسکتے۔ یوں اخلاقی تقاضوں کو انسان کے سامنے لے کر آنے کے سلسلہ میں کسی معاملے کو کتنا کس دیا جانا ضروری ہے اور کسی معاملے میں کتنی ڈھیل دے دی جانی چاہیے، عقل، فطرت اور ضمیر کی عمومی صلاحیت کے باوجود یہ سب سوالات ___ عقلائے عالم کے ہاں ___ تشنۂ وضاحت رہتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ عقل اور ضمیر وغیرہ انسان کو خدا کی راہ میں بڑھنے کیلئے اس کے مددگار ہونے اور نزولِ شرائع کی ستائش apprtitiate کرنے کیلئے وجود میں آئے ہیں نہ کہ ایسے کسی معاملہ میں حکم arbiter بننے۔

یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے انسان کی ہدایت کیلئے ان امور میں بھی جن میں اس کی عقل اور اس کا ضمیر کچھ نہ کچھ بلکہ بڑی حد تک اس کی راہنمائی کرتے ہیں، ایک مفصل اور منضبط ہدایت کی صورت میں اپنی شرائع نازل فرمائیں۔ پس علیم وخبیر کی شریعت ہی ہے جو 'علم اخلاق' کے ماہروں اور 'ضمیر' کے داعیوں تک کے تنازعات کے فیصلے چکائے اور انسانیت کے تعامل کیلئے ایک پختہ وقابل اعتماد زمین فراہم کرکے دے۔

پس جس طرح ''اعمال'' میں پیچھے ہم دیکھ آئے کہ فرائض اور مستحبات کی تقسیم ہوتی ہے، اور اس فرائض اور مستحبات کی تقسیم ہی سے ہم اسلامی ترجیحات کا پورا ایک خاکہ بنا لیتے ہیں اور تربیتی عمل میں بھی اہم سے اہم تر کی ایک ترتیب بنالیتے ہیں، یوں مسلم شخصیت

کی تشکیل میں ہم خدائی اور نبوی ہدایات سے بھر پور راہنمائی پاتے ہیں...... عین اسی طرح ''اخلاق'' میں بھی اسلام ہمیں فرائض اور مستحبات ہر دو کی نشان دہی کر کے دیتا ہے۔

نہ صرف واجبات و مستحبات، بلکہ ''اخلاق'' کی دنیا میں بھی ''اعمال'' ہی کی طرح...... مباحات بھی پائے جاتے ہیں، محرمات بھی، اور مکروہات بھی۔ یوں سیرت و سلوک کے وہ خطے جہاں سختی اور پابندی کرائی جانا ہے اور اس کے وہ خطے جہاں تطوع اور رضا کارانہ بنیاد پر حسنِ اخلاق کو پروان چڑھایا جانا ہے، ہر دو کا نقشہ ہمارے سامنے نہایت وضاحت سے آ جاتا ہے...... جس سے ایک ایسا متوازن پیمانہ ہمارے ہاتھ آ جاتا ہے، جس سے مسلم فرد اور مسلم معاشرہ کو اپنے اندرون و بیرون میں تزکیہ و اصلاح کیلئے پوری یکسوئی کے ساتھ ایک راہنمائی ملتی ہے اور وہ اپنی ترقی و کارکردگی کیلئے ایک زبردست روشنی تک رسائی پاتا ہے۔

بنا بریں، نہایت ضروری ہو جاتا ہے کہ ''احکامِ شریعت'' اور ''دروسِ زہد'' کے مابین امتیاز اور توازن اور ربط کی ایک بہترین بنیاد ہمارے ان نوجوانوں کو حاصل ہو جو اسلامی بیداری کے اس عمل کو آج کے مسلم معاشروں میں لے کر چلنے والے ہیں۔ 'فقہ' اور 'رقائق' ہر دو اسلامی تعلیم و تربیت کا حصہ رہیں گے، لیکن ان میں اگر کوئی خلط پایا جاتا ہے اور بلاشبہہ بہت سے دینی حلقوں کے اندر کچھ فکری عارضے ایسے پائے جاتے ہیں، جبکہ صوفیت نے بھی ان کی ترویج میں کچھ کردار ادا کیا ہے اور فقہ میں کوتاہ واعظوں اور مبلغوں نے بھی، دوسری طرف مستند اور خدا رسیدہ اہل علم کی راہنمائی کے بغیر حاصل کئے گئے علم نے بھی ان اغلوطات کے تقویت پانے میں اپنا ایک کردار ادا کیا ہے، خصوصاً قرآن و حدیث کو 'ذاتی مطالعہ' سے سمجھنے کے رواج نے تو اس بحران کو بے اندازہ بڑھایا ہے اور رہی سہی کسر شرعی علوم کے اس رائج تصور نے نکال دی ہے جو علم کو ایمان، زہد، طلبِ آخرت اور جہاد کے ساتھ جوڑنے کے بجائے ایک 'پیشہ ورانہ' عمل کے طور پر لیتا ہے...... غرض ''اخلاق'' کے ''واجبات'' اور ''مستحبات'' اور ''مباحات'' میں اگر کوئی خلط پایا جاتا ہے تو نہ صرف وہ ایک

کامل اور بیّن ترین شریعت کے نزول کے معاملہ میں خدا کی ناشکری شمار ہوگی بلکہ وہ اس تصویر کو شدید طور پر دھندلا بلکہ بھدا کر دینے کا بھی سبب ہوگا جس کا بنایا جانا اسلامی ہستی کی تشکیل نو کے اس مرحلہ میں بے حد ضروری ہے اور جس کا نظارہ کرنے کیلئے آج کے ان فکری اور اخلاقی بحرانوں میں گرفتار انسانی دنیا شدت کے ساتھ ہماری منتظر ہے۔

اس خطرناک عارضے کا محض ایک مظہر آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی زہد کا جو ایک خوبصورت تصور ہمیں ہمارے دین نے دیا ہے اور جس نے کہ ہمیں دنیا اور آخرت ہر دو کی ترقی میں ایک عظیم الشان عروج بخشا تھا اس وقت قریب قریب ترکِ دنیا، منفیت، مردہ دلی اور پسماندگی کا مترادف ہو چکا ہے...... جس سے 'دینداری' کی تصویر معاشرے کے اندر اس حد تک مسخ ہو چکی ہے کہ معاشرے کے مرکزی دھارے mainstream میں پائے جانے والے بہت سے طبقے کچھ دینی شعارات اور 'مذہبی' حلیہ و خدوخال سے ایک 'تحفظ' سا محسوس کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، جبکہ اسلام کے ان شعارات کو اپنانے کے سوال پر تو وہ اور بھی بڑی الجھن اپنے اندر پانے لگے ہیں، باوجود اس کے کہ دین سے محبت بلکہ دین کے بہت سے فرائض کی ادائیگی میں یہ طبقہ بھی شاید کسی سے کم نہیں۔ یہاں تک کہ یہ طبقہ، جو ہماری نگاہ میں حقیقی اسلامی تبدیلی کیلئے بے حد اہم اور فیصلہ کن ہے، دین کی مروجہ تعبیروں سے ہی شاکی نظر آتا اور اب تو ان نئی صداؤں کی جانب کسی حد تک متوجہ ہونے لگا ہے جو کہ درحقیقت اسلام میں جدت پسندی کی دعوت ہیں، اور جن کی گمراہی کا ہمارے اس طبقے کو ظاہر ہے کہ ابھی اندازہ نہیں...... اور یہی اس معاملے کی ایک آشوب ناک جہت ہے۔

دوسری طرف اس صورتحال نے یہاں کے دین دشمنوں اور زندیقوں کو، جو کہ ادب اور میڈیا کے حلقوں میں ایک قابل لحاظ وجود رکھتے ہیں، 'دینداری' کی تصویر کو اور بھی خراب کر کے پیش کرنے کا ایک موقعہ فراہم کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ صہیونی ہدایت کاری سے چلنے والا عالمی میڈیا بھی اب اسی تصویر کو گہرا سے گہرا کرنے کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہے۔

نہایت ضروری ہوگا کہ ہمارے حوصلہ مند نوجوانانِ اسلام کا وہ طبقہ جو آج کے معاشروں کو اسلام کی اصل تصویر بنا کر دے گا...... نہ صرف وہ اس صورتحال کی ایک کافی وشافی تشخیص کرے اور لوگوں کی الجھنوں اور مشکلوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرے، بلکہ اسلامی حقیقت کا وہ متوازن ومنفرد فہم پانے پر بھی محنت کرے جو 'دینداری کے رائج تصورات' کی بجائے ''اسلامی شخصیت کے ایک اصیل اور بے ساختہ تاثر'' کو سامنے لائے۔ اس سے معاشرے کے پڑھے لکھے طبقے کی راہ سے دین کی جانب بڑھنے کے معاملہ میں جو رکاوٹیں دور ہونے لگیں گی، اور جو کہ فی الوقت نا قابل عبور دکھائی دیتی ہیں، حق یہ ہے کہ وہ بھی ایک بے حدز بردست پیش رفت ہوگی۔

فعلی اللہ التکلان، وھو المستعان

☆☆☆☆☆

اسلامی تربیت کی ایک زبردست خاصیت یہ ہے، جیسا کہ محمد قطب کہتے ہیں، کہ یہ اسلام کی حقیقت کو نفس انسانی کے اندر کچھ اس نفاست کے ساتھ گہرا اتارتی ہے کہ اجزائے دین میں کہیں کوئی جوڑ اور پیوند لگا رہنے نہیں دیا جاتا۔ اسلامی حقیقت ایک کل کی صورت نظر آتی ہے اور اس کے اندر ایک قدرتی ربط اس کو کامل ومتکامل بنا دیتا ہے۔ چنانچہ جن اشیاء کو کسی وقت ہم بیان اور توضیح کیلئے الگ الگ مباحث میں بیان کر لیتے ہیں وہ محض پڑھنے پڑھانے کے حوالے سے ہی، اور وہ بھی ضرورت کی حد تک، الگ الگ ذکر ہو سکتے ہیں نہ کہ درحقیقت۔ ورنہ اسلامی حقیقت ایک کل ہی کا نام ہے۔ نبوی منہج تربیت میں 'عقیدہ'، 'عبادت' اور 'اخلاق' کو یوں علیحدہ علیحدہ نہیں کیا گیا، جیسا آج ہمیں کئی ایک مناہج میں نظر آتا ہے، یہاں تک کہ ہر ایک پر محنت کرانے کیلئے الگ الگ دنیائیں اور 'سلسلے' وجود میں آچکے ہیں...... اہلسنت کے ہاں ایسے کسی اسلوب کی کبھی بھی پزیرائی نہیں ہونے دی گئی......

قرآنی آیات میں ہم دیکھتے ہیں 'عقیدہ'، 'عبادت' اور 'اخلاق' کو یوں گوندھ دیا جاتا ہے کہ یہ ایک ہی خوبصورت اور دل نشین حقیقت بنی دکھائی دیتی ہے۔ محمد قطب

اس سلسلے میں کچھ آیات خاص طور پر بطور مثال لاتے ہیں۔ ہم ان میں سے دو مقامات کا ذکر کریں گے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاء ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

(المؤمنون: ۱-۱۱)

فلاح پا گئے ایمان لانے والے، جو
اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں
جو لغویات سے منہ موڑ رکھتے ہیں
جو زکوٰۃ کے فاعل ہیں
جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکِ یمین میں ہوں۔ (ہاں ان کی بابت) یہ قابل ملامت نہیں ہیں البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں
جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں
جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں
یہی وارث ہیں
جو کہ میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً إِنَّهَا سَاءتْ مُسْتَقَرّاً

وَمُقَاماًوَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَاماً يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَاناً إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَاباً وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً أُوْلَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَاماً خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً

(الفرقان:٦٣-٧٦)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں بھئی تم کو سلام ہے۔

وہ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

جو دُعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، جہنم کے عذاب سے ہم کو بچا لے، اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے، وہ تو بڑا ہی برا ہے مستقر اور مقام۔

جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔

جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے، اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں ____ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا، قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا

غفور رحیم ہے۔

جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے ___

(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو وہاں سے بڑے وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔

جو دُعائیں مانگا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا"

یہ ہیں جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب وتسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا......

☆☆☆☆☆

حقیقت یہ ہے کہ نزولِ قرآن کی عین ابتدا ہی میں عقیدہ کے اخلاقی جوانب کو ایک زور دار اور بھر پور انداز میں نمایاں کیا جانے لگا تھا۔ جاہلیت کے آداب واخلاق کی مذمت اور بیخ کنی بالکل ابتدا میں شروع کر دی گئی تھی۔ یہیں سے نفس کے تزکیہ وتربیت اور سماج کی تبدیلی واصلاح کی نہایت صحت مند جہتیں آغازِ دعوت ہی سے جنم لینے لگی تھیں۔

اسلام کے درست تعارف کیلئے مکی سورتوں کے یہ مضامین واضح ہو جانا بھی اشد ضروری ہے۔ ابتدائے دعوت کے یہ اخلاقی مضامین واضح نہ ہوں تو 'عقیدہ کی دعوت' کا وہ نقشہ ہی غلطی سے دعوت کا وہ اصل نبوی نقشہ سمجھا جا سکتا ہے جو بدقسمتی سے آج ان کئی ایک طبقوں کے مابین پزیرائی پا چکا ہے جو اپنے آپ کو 'عقیدہ کا داعی' سمجھتے ہیں اور جن کی 'دعوتِ عقیدہ' چند بے جان عبارتوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

جبکہ آپ دیکھتے ہیں:

ویل للمطففین الذین إذا اکتالوا علی الناس یستوفون وإذا کالوھم أو وزنوھم یخسرون ألا یظن أولئک أنھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العالمین یعنی "بربادی ہے ڈنڈی مارنے والوں کیلئے، جو کہ لوگوں سے لیتے ہیں تو پیمانہ پورا لیتے ہیں (مگر) جب لوگوں کو ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں۔ کیا ایسوں کا گمان نہیں کہ عنقریب وہ (قبروں سے) اٹھا کھڑے کر لئے جانے والے ہیں، ایک بہت بڑا دن آنے پر، کہ جب لوگ جہانوں کے پرودگار کے حضور کھڑے ہوں گے"......

أرأیت الذی یکذب بالدین فذلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علیٰ طعام المسکین یعنی "کیا دیکھا تو نے اس شخص کو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے، تو یہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھلانے کیلئے (زبان سے) ترغیب تک نہیں دیتا"......

کلا بل لا تکرمون الیتیم ولا تحاضون علیٰ طعام المسکین وتأکلون التراث أکلا لما وتحبون المال حبا جما یعنی "ہرگز نہیں۔ معاملہ تو یہ ہے کہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے۔ اور ایک دوسرے کو مسکین کو کھلانے کی ترغیب وتحریص تک نہیں دلاتے۔ اور ورثے کو کھا پی جاتے ہو اور مال سے حد درجہ محبت کرتے ہو"......

فلا اقتحم العقبہ وما أدراک مالعقبۃ فک رقبۃ أو إطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ أو مسکینا ذا متربۃ ثم کان من الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ أولئک أصحاب المیمنۃ یعنی "یہ (انسان) ابھی تو وہ گھاٹی ہی نہیں چڑھا۔ اور تو کیا جانے وہ گھاٹی کیا ہے؟ گردن آزاد کر دینا۔ یا مشکل دن میں کھانا کھلا دینا کسی یتیم کو جو قرابت داروں میں آتا ہو، یا کسی مسکین کو جو گرا پڑا ہو۔ پھر وہ جا شامل ہوا ہو ان میں جو ایمان لائے

اور صالح اعمال کرنے لگے اور جو تلقینیں کرتے ہیں اپنے ایک دوسرے کو صبر کی اور صلہ رحمی کی۔ یہی ہیں اصحابِ دستِ راست“......

یہ اس عظیم شعوری واقعہ کی چند ایک مثالیں ہیں جس کو مکی دور میں دلوں کی لوح پر رقم کیا جا رہا تھا اور جس سے اسلامی تبدیلی کے کچھ بنیادی ترین خدوخال متعین کئے جا رہے تھے اور جس کو انسانی دنیا کے اندر ایک عظیم الشان تبدیلی برپا کر دینے کیلئے بنیاد بنایا جا رہا تھا۔

مکی قرآن کی یہ چند ایک مثالیں ہیں، ورنہ اس کی بے شمار مثالیں کتاب اللہ سے لائی جا سکتی ہیں جن سے واضح ہو کہ اسلامی حقیقت کو دلوں میں بٹھانے کیلئے اخلاق کو کس انداز سے عقیدہ کے مواد میں اور کس زور کے ساتھ عقیدہ کو اخلاق کے عنصر میں گوندھ دیا گیا، جس سے ان دو کو الگ الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

فقلت له: وما أنت؟ قال: أنا نبی. قلت: وما نبی؟ قال أرسلنی اللہ. فقلت: بأی شیءٍ أرسلک؟ قال: أرسلنی بصلة الأرحام، وکسر الأوثان، وأن یوحد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیءٌ. (صحیح مسلم)

”میں (عمر بن عبسہؓ) نے آپؐ سے سوال کیا: آپ کون اور کیا ہیں؟ فرمایا: ”میں نبی ہوں“۔ میں نے پوچھا: نبی کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: ”اللہ نے اپنا پیغام اور مشن دے کر مجھے بھیجا ہے“۔ میں نے دریافت کیا: کیا ”مشن دے کر بھیجا ہے؟ فرمایا: ”یہ مشن کہ ارحام کو جوڑا جائے۔ بتوں کو توڑا جائے۔ اللہ کی توحید قائم ہو یوں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے“۔

اسی عقیدہ میں گندھے ہوئے اخلاقی عنصر کے خمیر سے پھر اسلامی شریعت کی سماجی، خانگی، معاشی، سیاسی اور انتظامی بنیادیں اٹھائی گئیں۔ بے شک اسلام کے ان سب شعبوں کی بابت مفصل ہدایات وقفے وقفے سے اور حالات وواقعات کی مناسبت سے اتاری جاتی رہیں، جو کہ الگ سے اسلامی شریعت کا ایک نہایت دل کش پہلو ہے، البتہ اسلامی شریعت کا بنیادی فریم یہیں سے تیار ہو گیا تھا۔ یوں اس فریم میں فٹ ہونے

کیلئے بعد ازاں اترنے والی تفصیلات کا ہی آنا باقی رہ گیا تھا۔ ابتدائے دعوت میں قلوب اور عقول پر کرلیا گیا کام واقعتاً اسی قدر مکمل اور دور رس تھا۔ مکہ کے ابتدائی سالوں کو محض 'عقائدی اصلاح' کا سا ایک تاثر دیا جانا دعوت کے اس بنیادی اور اساسی عمل کے ساتھ حد درجہ زیادتی ہوگی۔

پس ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے آج کے اس دور میں بھی 'عقیدہ کی دعوت' دینے والے طبقے اسلام کے تحریکی عمل کا ایک ایسا لہجہ متعارف کراتے جس میں لوگ عقیدہ کی اخلاقی جہتیں اور اخلاق کی عقائدی جہتیں بھی اسی روشن بیّن انداز میں ملاحظہ کرتے جس انداز میں پہلے پہل دعوتِ عقیدہ نے اپنا ایک جداگانہ تعارف کرایا تھا اور اس سے خود بخود دنیا کے ضعیف اور نادار اور مظلوم پسے ہوئے طبقے عقیدہ کی اس دعوت میں کچھ ویسے ہی خوبصورت پیغام پڑھتے جیسے پیغام اس دعوت سے ان کو ابتدائے اسلام کے اندر موصول ہوئے تھے اور جس کے باعث وقت کے طاغوت اس دعوت سے نالاں ہونے کیلئے اپنے یہاں کچھ اضافی وجوہات پاتے رہے تھے...... مگر بدقسمتی سے ہمارے آج کے اس دور میں 'عقیدہ کی دعوت' کو اِن بہت سی خوبصورت اخلاقی اور سماجی جہتوں سے ہمکنار نہ کرایا جاسکا، اور جس کے باعث...... باوجود اس کے کہ آج کی اس دعوت میں بھی خدا کے حق پر بات کی جاتی تھی اور خدا کے اسماء وصفات بھی اس کا موضوع تھے مگر یہ ایک بے انتہا محدود، بے جان، غیر عملی اور معاشرے سے کٹی ہوئی دعوت تھی۔ پھر جب داعیانِ عقیدہ کی جانب سے 'اصلاحِ عقائد' کی اس دعوت کو ایک 'جامع دعوت' کہا گیا بلکہ کئی بار تو یہاں پائی جانے والی کئی ایک اصلاحی اور سماجی تحریکوں [1] کے بالمقابل اور بلکہ متبادل کے طور پر پیش کیا گیا تو دیکھنے سننے والوں کا تاثر اس کی بابت اور بھی الجھنوں کا شکار ہوا۔

(۱) مراد یہ نہیں کہ یہ دعوتیں عین صحیح ومثالی بنیاد پر اٹھائی گئی تھیں۔ ان اصلاحی وسماجی دعوتوں میں عقیدہ کی بنیادیں بڑی حد تک ناپید دیکھنے میں آتی ہیں، مگر اس پر بات ہمارے یہاں دیگر مقامات پر ہوتی رہتی ہے۔

کیا یہ امر باعث تعجب نہ ہونا چاہیے کہ غریبوں کے حق کی بات کی جانا اور مظلوم و استحصال زدہ طبقوں کی حمایت میں ظالم کے خلاف آواز بلند کی جانا یہاں کمیونسٹوں اور ترقی پسندوں کی شناخت تو بنا مگر قرآن اور عقیدہ کے داعیوں کی پہنچان نہ بن پایا؟!!!

سود اور سرمایہ داری نظام کے خلاف گو ایک مزاحمت ہمارے دینی طبقہ میں پائی گئی، جو کہ ایک نہایت خوب امر ہے، اور اس کو برملا غلط گردانا گیا...... مگر یہ ناسور جو آج کے طواغیت میں خدائی کا ایک بہت بڑا دعویدار ہے اور انسان کی انسان کیلئے بندگی اور غلامی کی بہت سی رائج صورتیں اسی کی قوت اور بڑائی سے وابستہ ہیں...... یہ باطل معبود 'دعوتِ عقیدہ' کی زد میں پھر بھی بہت کم لایا گیا۔

مسکین کا پیٹ بھرنا اور مظلوم کی دادرسی ہونا وغیرہ ایسے امور 'اسلامی انقلاب' کی 'کامیابی' کے ساتھ نتھی کر دیے گئے۔ یعنی مسکین، تنگ دست اور مقہور طبقے ہمیں ووٹ اب دیں البتہ اپنی فریادرسی و چارہ گری کی امید سیاست میں ہمارے کامیاب ہو جانے کے بعد رکھیں اور تب تک ہمارے پاس ان کے لئے سوائے نیک وعدوں کے شاید کچھ نہیں...... باعث افسوس یہ کہ یہ مسکین اور مقہور طبقوں کا ذکر تک عمومی طور پر دینداروں کے انہی طبقوں میں سنا گیا جو یہاں سیاسی میدان میں پائے گئے، رہے وہ طبقے جو سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھتے رہے ان کے ہاں سماجی ظلم کا ذکر تک سننے میں نہ آ پایا!!! یہاں تک کہ یہ باور کیا گیا کہ سماجی ظلم و استحصال پر بات کرنا 'دعوتِ عقیدہ' ہی کے منافی ہے! حالانکہ دعوتِ عقیدہ کے منافی بات کوئی ہے تو وہ یہ کہ سماجی اور ماحولیاتی مسائل ہی دعوت کے لہجے اور مضامین میں غالب آ جائیں اور دعوت کے زیادہ بنیادی مضامین انہی مسائل کے شور تلے دب کر رہ جائیں۔ وگرنہ وہ دعوت کیا ہے جو معاشرے کے مسائل سے اور وہاں پائی جانے والی زیادتیوں اور ناہمواریوں سے لاتعلق ہو؟

اسلامی حقیقت کی صحیح عکاسی کرنے والے دینی طبقوں کی محنت کا یہ بھی بہر حال ایک میدان ہوگا۔

☆☆☆☆☆

’مرعوب‘ صرف سلف سے!

اصالت

اصالت originality__یعنی اصیل ہونا اور اپنی حقیقت کو ابتدائے اسلام اور قرونِ سلف سے برآمد کرانا __اس مسلم شخصیت کا وصف لازم ہوگا۔ حقائق کے تعین کیلئے اس کا کل سہارا کتاب اللہ پر ہوگا اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر اور یا پھر کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ ﷺ کے فہم و استیعاب کیلئے ورثۂ سلف پر۔ وابستگی کا اصل محل اس کے لئے تاریخِ امت کے یہی پہلے تین ادوار ہوں گے اور اس کی توجہ کا مرکز انہی تین ادوار کے اندر پائی جانے والی خالص اسلامی تصویر۔

اس موضوع کے کچھ فکری جوانب ہم اپنی کتاب ”آپ کے فہمِ دین کا مصدر کیا ہے؟“ میں بیان کر آئے ہیں اور منہجِ سلف کو لازم پکڑنے کی بابت کچھ اصولی مباحث بھی وہیں پر ذکر کر دیے گئے ہیں۔ یہاں اس کے واقعاتی جوانب پر چند کلمات کہہ دینا بھی البتہ ضروری معلوم ہوتا ہے......

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی صورت پر صدیوں سے جو یہ گرد پڑتی آئی ہے لوگوں کی ایک کثیر تعداد گمراہیوں کی اس گرد کو بھی اب اسلامی صورت ہی کا حصہ سمجھنے لگی ہے...... یہاں تک کہ اس جمی ہوئی گرد اور میل کو اس پر سے مل مل کر اور کھرچ کھرچ کر جب آپ اتاریں گے تو اس کو وہ اسلام کا نقصان کرنے بلکہ شاید اسلام کو مسخ کیا جانے پر محمول کریں گے......!

جن بتوں کو یہاں پوجا جاتے کچھ عرصہ بیت گیا ہے ان کو مسمار کیا جانا ان کو ’مسلم تاریخ‘ اور ’مسلم کلچر‘ کی تباہی نظر آئے گا......!

بہت سوں کیلئے اسلامی عقیدے کی تاریخ منصور الحلاج اور ابن عربی سے اور اسلامی فکر کی تاریخ رومی اور فارابی سے شروع ہوتی ہے۔ بہت سوں کیلئے اسلامی عقیدہ اور اسلامی حقیقت کلام اور تصوف کی بحثوں کا نام ہے۔ بہت سوں کیلئے اسلامی شعائر 'اجمیر شریف' اور 'داتا دربار' ایسے 'مقامات' کا نام ہے۔ مسلم کلچر 'تاج محل' اور 'قطب مینار' ایسے نوادرات کا مجموعہ ہے......!

آپ جب اسلامی عقیدے اور اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب اور اسلامی حقیقت کا آغاز رسول اللہ ﷺ سے اور مکہ کی وادیوں سے اور مدینہ کے خالص اسلامی ماحول سے ہی کرنے پر اصرار کریں گے...... آپ جب اسلام کی حقیقت ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ، ابن عمرؓ وابن مسعودؓ......اور پھر عمر بن عبدالعزیزؒ، زہریؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ، ابن المسیبؒ......اور پھر ابوحنیفہؒ، مالک بن انسؒ، شافعیؒ، ابن حنبلؒ، ثوریؒ، ابن عیینہؒ، اوزاعیؒ، بخاریؒ وغیرہ سے ہی سمجھنے پر اصرار کریں گے اور بعد والوں کے اقوال وآراء کیلئے انہی پہلے والوں کے علم وفقہ اور انہی کے فہم وفکر میں گنجائش تلاش کرنے کی شرط لگائیں گے...... آپ جب بعد میں پائے جانے والے محدثاتِ امور کیلئے یہیں سے دلیل اور نظیر لانے کا مطالبہ کریں گے......تو نہ معلوم آپ کو کس قدر تعجب سے دیکھا جائے!

لوگ یہ تو چاہیں گے کہ اسلام پھر پہلے کی طرح دُنیا کا سب سے بڑا اور سب سے بھاری اور سب سے نمایاں اور سب سے مرکزی واقعہ بنے مگر ساتھ یہ بھی چاہیں گے کہ اسلامی صورت میں کیئے گئے وہ سب اضافے اور وہ سب تبدیلیاں بھی ساتھ قبول کی جائیں جو کہ قرون اولیٰ کے بعد ہوتی رہیں یا پھر جن کی قرونِ اولیٰ میں مذمت اور مخالفت ہوتی رہی اور جو کہ پھر آخر کار ہماری اس ساری لٹیا کو ڈبونے کا اصل اور حقیقی سبب بنیں!

کس قدر تعجب کی بات ہونی چاہئے کہ قبروں اور درگاہوں اور آستانوں پر ہونے والی غیر اللہ کی پرستش کی بابت لوگ یہ سمجھیں کہ شاید یہ ہمیشہ سے اسلام کا حصہ رہا ہے! اور اگر آپ غیر اللہ کی عبادت کے ان مظاہر کے ساتھ وہی رویہ اپنانے

کی بات کریں جو موسیٰ علیہ السلام نے گوسالۂ سامری کے ساتھ اپنایا تھا، اور کیا شک ہے کہ اسلام کی اصل صورت کو دُنیا کے سامنے لے آنے کا یہ ایک بنیادی اور براہ راست تقاضا ہے کہ ان سب بتوں کو جو مسلم معاشروں کے اندر آج پوجے جاتے ہیں دریابرد کردیا جائے، تو آپ کے بہت سے ہمدرد اور سمجھدار اس سے روکنے کیلئے آپ کو خود اسلام ہی کی بقا اور ترقی کے واسطے دیں!! شرک کو توحید سے الگ کرنے کی بات ہو تو اس میں یہ امت کی وحدت اور یکجہتی کو پارہ پارہ ہوتا دیکھیں!!! سبحان اللہ العظیم!!!

کس قدر حیرت ہونی چاہیئے جب آپ وحدۃ الوجود کے عقیدے کو یعنی خالق اور مخلوق کو یکجا کردینے کو رب العالمین کے ساتھ واضح ترین شرک قرار دیں اور اسلام کے چہرے سے اس شرک کی پلیدی کو دور کردینے کو دین کے ایک بنیادی اور اساسی فرض کے طور پر لیں تو اسکے جواب میں آپ کو قرون اولیٰ کے بہت بعد آنے والی کچھ شخصیات کے اقوال اور اشعار کسی مقدس نص کی طرح سنائے جائیں اور پچھلی چند صدیوں میں پیدا ہونے والے بیسیوں یا سینکڑوں بزرگوں اور اکابرین کا نام لے لے کر ڈرایا جائے گویا آپ نے سلف صالحین کی راہ سے انحراف کا ارتکاب کرلیا ہے اور اس کے باعث آپ کی آخرت خطرے میں پڑ چکی ہے!!!

یہ 'ہمہ اوست' کا نعرہ امت میں آخر کب لگا؟؟؟ کیا یہ مکہ میں لگایا گیا جب رسول اللہ ﷺ پر قرآن کا نزول ہو رہا تھا اور جب اسلام کے ابدی حقائق دلوں کی لوح اور تاریخ کے قرطاس پر بیک وقت رقم کئے جا رہے تھے اور جب اسلامی حقیقت کو قلوب میں کندہ اور معاشروں پر ثبت کردینے کا عمل نبویؐ سرپرستی میں انجام پا رہا تھا؟ کیا یہ ابوہریرہؓ یا عائشہؓ، یا انسؓ یا ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے؟ کیا ائمہ اربعہ و دیگر جلیل القدر اتباع تابعین اسی کی تبلیغ کرتے گئے ہیں؟ 'کائنات خدا کی عین!' ایسے فلسفے اس امت میں آخر کب جا کر سامنے آئے؟ منطق اور کلام کی جدلیات کیا سلف کی یادگار ہے؟ کیا خیال ہے عمر فاروقؓ اپنے

دورِ خلافت میں کسی کو رب العالمین کی بابت 'عین اور غیر' یا 'جوہر اور عرض' کے نکتے بیان کرتا دیکھ لیتے تو اس کو کس برتاؤ کا مستحق جانتے!؟

جن متشابہات کی تفصیل میں پڑنے سے سلف اپنے تمام تر علم اور زمانۂ نبوت سے اپنی اس قدر قربت کے باوجود ڈر ڈر کر رہتے تھے، بلکہ وہ اپنے علم اور زمانۂ نبوت سے اپنی قربت کے باعث ہی مشابہات کی ٹوہ میں جانے سے ڈرتے تھے، یہ بعد والے پوری جرات اور بڑے اعتماد کے ساتھ اور بڑی بے تکلفی سے متشابہات کی یہ 'گتھیاں سلجھاتے'! قرآن کے جن مقامات کی بابت سلف اپنے پاس سے ایک لفظ بھی کہنے کا اپنے آپ کو متحمل نہ پاتے یہ اس پر ضخیم جلدوں پر مشتمل تصنیفات لکھ دینے کو بھی کم جانتے! نصوص کی تفسیر میں سلف جہاں خاموشی اور عاجزی سے گزر جانا اپنے لئے عافیت جانتے وہاں یہ (خلف) اپنی نکتہ رسی کے کمالات دکھاتے اور ان موضوعات پر پائے جانے والے 'سب اشکالات' دور کر دینے بلکہ قولِ فیصل صادر کر دینے کا بھی اپنے آپ کو مجاز پاتے! وحی کا ادب، قیل وقال وکثرت سوال سے اجتناب، نصوصِ تنزیل کے آگے دبے دبے رہنا اور انکا ایک وزن اور ایک ہیبت دلوں پر محسوس کرنا، اللہ اور رسولؐ کے آگے بڑھنے سے ہر دم خائف رہنا اور 'اللّٰہ ورسولہ أعلم' ایسے الفاظ کہتے ہوئے ایک راحت، ایک اعتماد اور ایک قناعت محسوس کرنا اور اللہ ورسولؐ کے آگے اس انکساری میں ایک لطف اور اطمینان پانا اور اپنی ساری توجہ ایمان اور جہاد اور اطاعت وفرمانبرداری پر رکھنا...... علم اور ایمان کی وہ ایک مجسم صورت جو ہمیں سلف سے ملتی ہے یہ اس کا ایک بہت ہی امتیازی وصف ہے۔ پہلے والوں کی اتباع اور بعد والوں کی ابتداع...... ان دو تصویروں کا یہ وہ فرق ہے جس کو مسلم ذہن اور مسلم شخصیت کی اس تشکیل نو میں بہت واضح ہونا ہے۔

جہانِ نو میں 'مسلمان' کے اپنی اس آب وتاب سے نمودار ہونے کیلئے جس تیاری اور جن اوصاف کے پائے جانے کی ضرورت ہے اس میں ایک اہم ترین بات یہ ہوگی کہ

مسلم تاریخ میں بہت پیچھے چلے جایا جائے اور اپنے وجود اور تشخص کو بالکل ابتدائے اسلام سے برآمد کیا جائے۔ اپنی اصل تصویر ہمیں وہیں ملے گی۔ بعد کی صدیوں کو بھی ضرور پڑھا جائے مگر کہیں پر عبرت نگاہی کے ساتھ۔ کہیں پر سبق آموزی اور کہیں پر ناقدانہ بصیرت کے ساتھ اور کہیں پر اسوہ ونمونہ کا تعین کرتے ہوئے۔ کہیں سے کچھ قبول کیا جائے گا اور کہیں پر کچھ مسترد کیا جائے گا۔ کوئی چیز جزوی طور پر رد ہوگی اور کوئی چیز جزوی طور پر قبول۔ اور یہ نگاہ پانے کیلئے، کہ بعد والوں سے کیا لیا جائے اور کیا نہ لیا جائے، اعتماد اسی سلف کے منہج پر کیا جائے گا۔ بعد کی صدیوں کا جائزہ وتجزیہ کرنے کیلئے پیمانہ قرون اولیٰ یعنی صحابہ وتابعین واتباع تابعین سے ہی لیا جائے گا۔ اس کے سوا اپنے پاس کوئی پیمانہ ہے ہی نہیں (فإن أمنوا بمثل مأ امنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فإنما هم في شقاق)[1] اس پیمانے پر جو قبول ہونے کے قابل ہو اس کو بلا مضائقہ لیا جائے گا اور جو رد ہونے کے قابل ہو اس کو بلا تردد اور بلا خوفِ ملامت مسترد کر دیا جائے گا اور جو نظر انداز ہونے کے قابل ہو، اس کو کوئی پروا کئے بغیر نظر انداز کر دیا جائے گا۔

گویا اس مسلم شخصیت کو، جس کو کھڑا کرنا ہمارا مقصود ہے، دیکھنا بعد کی صدیوں کو بھی ہے۔ صرف قرونِ اولیٰ کا مطالعہ ہی نہیں کرنا۔ قرونِ متأخرہ سے اس کو آنکھیں بند کرکے نہیں گزرنا، جیسا کہ بعض دیندار حضرات ضروری خیال کرتے ہیں۔ تاریخ نظر انداز ہونے کیلئے ہے ہی نہیں خواہ اس کا کوئی دور کتنا بھی حسین اور دل کش ہو یا کوئی دور کتنا ہی خوفناک اور بدنما ہو۔ تاریخ تو ہمیں عالم اسلام ہی کی نہیں عالم کفر کی بھی پڑھنی ہے۔ ہر دور اور ہر تاریخی واقعے کو جانچنے اور تولنے کی صلاحیت پانی ہے۔ تاریخ کا کوئی واقعہ نہیں جس سے مسلمان کو فائدہ نہ ملتا ہو اور جس سے وہ اسباق اور نتائج اخذ نہ کرتا ہو۔ جہاں جہاں سے اس کو جو کام کی بات ملے یہ اس کو پنچ کر لے گا۔ اس مقصد کیلئے یہ عالم کفر کو بھی دیکھنے اور پرکھنے کا برتہ رکھے گا کیونکہ جانچنے اور ماپنے کا ایک زبردست پیمانہ یہ اپنے پاس رکھتا ہے۔

(۱) البقرہ: ۱۳۷ ''اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح مخالفت میں ہیں''

چنانچہ ہماری اس بات کا کہ مسلم شخصیت کی نگاہوں کا مرکز دور سلف ہی کو رہنا چاہیئے، یہ مقصد نہیں کہ بعد کی صدیوں کے اچھے اور برے پہلوؤں کو نگاہ میں کیئے بغیر آ گے گزر جایا جائے......

البتہ یہ کہ ہم پچھلے سو دو سو سال یا اس سے پہلے کی چند صدیوں پر ہی اپنے 'اکابرین' کا سلسلہ ختم کر دیں اور ان کے عقیدہ وفہم کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے پیچھے سلف کے دور تک نہ جائیں...... اور یہ کہ امت کے آخری ادوار میں معروف ہو جانے والے ناموں اور سلسلوں کو سلف کے منہج پر پیش کیئے بغیر چھوڑ دیں......اور یہ کہ دورِ آخر کے بزرگوں نے جو کہ دیا، بغیر یہ دیکھے کہ دور اول کے ائمہ سے اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں، بس اسی کو حرف آخر جانیں......تو اگر یہ کوئی منہج ہے تو وہی منہج ہے جس نے ہمیں یہ دن دکھائے اور جس کے جاری رہنے کی صورت میں وہی ہوگا جو آج ہو رہا ہے۔

اُمت کے اندر بعد میں آنے والوں کے اقوال وآراء کی صحت کو پہلوں کی دی ہوئی کسوٹی پر پرکھنا اور اس کے کسی کھوٹ کو سابقون الاولون کی راہ کے احترام میں رد کرنا اگر کوئی گستاخی ہے تو اتنی سی گستاخی ضرور اس مسلم شخصیت کا حصہ ہوگی جو اپنے اس دور پر خالص اسلام کے زور پہ اثر انداز ہوگی۔

ولا تنسوا الفضل بینکم کسی بھی صاحبِ فضل کی فضیلت کم کرنا اور کسی کی نیکی اور احسان کو بھلا دینا ہمارے دین کی رو سے سخت معیوب ہے۔کوئی بزرگ کسی غلطی کا شکار ہو جاتا ہے تو بھی اس کی نیکیوں اور خوبیوں کا برملا اعتراف کیا جائے گا۔ اُمت کا اپنے دور میں اس نے کسی طرح کوئی بھلا کیا ہے تو اس کیلئے دُعائے خیر ضرور ہو گی۔ہم اس کی نیکیوں کی قبولیت اور غلطیوں کی مغفرت ہو جانے کیلئے برابر دُعا گو رہیں گے اور شدید خواہش رکھیں گے کہ اس نیک بزرگ سے کوئی غلط بات اگر منسوب ہے تو خدا کرے اس سے اس قول کی یہ نسبت ہی ثابت نہ ہو اور لوگوں نے اس پر جھوٹ گھڑ دیا ہو۔اور اگر کسی غلط بات کی کسی سے نسبت ثابت ہو تو بھی ہم کسی گزر جانے والے کا

محاسبہ یا محاکمہ کرنے کو غلط جانیں گے۔ اس بزرگ کے کسی ہم عصر بزرگ نے ہی اس پر اس کی پکڑ کی ہو تو درست ورنہ ہم اپنے آپ کو اس منصب سے فروتر ہی جانیں گے۔ ہم اس کیلئے عذر تلاش کرنے میں بھی کمی نہ رہنے دیں گے...... البتہ یہ کہ ایک ایسی بات جو سابقون الاولون کے منہج کی رو سے غلط اور قابل رد ہے بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے اور عقیدہ کے جلی حقائق سے ہی صاف متصادم ہے، ایک ایسی غلط بات محض بعد کے کسی بزرگ سے نسبت ہونے کی بنا پر درست مانی جائے تو عقیدت کی یہ اگر کوئی قسم ہے تو ہم اس کو اختیار کرنے سے لازماً معذرت کریں گے اور اس سے ممانعت کی بھی باقاعدہ تحریک اٹھائیں گے۔ بعد والوں میں سے نیک اور بزرگ حضرات کا بھی یقیناً ہم پر بڑا حق ہے مگر پہلے والوں کا حق یقیناً اس سے بڑا ہے اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ پر تو کوئی چیز مقدم ہے ہی نہیں۔

حق کا منصب اس سے بہت بڑا ہے کہ وہ رجال کے تابع کر دیا جائے البتہ رجال حق کے تابع رہیں گے۔ شخصیات حق کے ساتھ بڑی ہوتی ہیں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ شخصیات حق سے بڑی ہو جائیں! حق شناسی اس مسلم شخصیت کا لازمۂ اول ہوگا۔ حق سے بڑھ کر اس کو کوئی چیز عزیز نہ رہے گی۔ یہ حق کا منصب ہے۔ حق کو اس کا یہ منصب دے کر ہی دُنیا میں ہم کسی منصب کی اُمید رکھیں گے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ حق کو اس کا اصل منصب دلانا ہی ہمارا اصل منصب ہے اور 'مسلم شخصیت' کا ایک بہت ہی اساسی وصف۔

'مسلم شخصیت' ایک ایسی نگاہ رکھنے کا نام ہوگا جو صدیوں کے فاصلے پائے جانے کے باوجود قرونِ اولیٰ کے فہمِ اسلام پر مرکوز ہو سکے۔ اس کو وہ صلاحیت پانا ہوگی جو درمیان سے صدیوں کے فاصلے سمیٹ لے اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا حق دیتے ہوئے قرنِ اول تک یعنی صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچے۔ نہ کسی کے ساتھ کمی کرے نہ زیادتی۔ نہ افراط سے کام لے اور نہ تفریط سے۔ ہر دور کے اچھے اور برے پہلوؤں کو صاف پہچان لے۔ نہ کسی کی نیکی اور کسی کے مرتبہ وفضیلت کی تحقیر کرے اور نہ کسی کی غلطی یا برائی کی

رعایت۔ البتہ اس کی نگاہوں کا مرکز اور پلٹ پلٹ کر لوٹ آنے کا محل صرف وہی ادوار ہوں جن کی بابت وہ رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتا پائے:

أی الناس خیر؟ قال: قرني، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم [۱]

پوچھا گیا کونسے لوگ سب سے بہتر ہیں؟ فرمایا: میرے دور کے لوگ، پھر جو انکے بعد آئیں گے اور پھر جو ان کے بعد آئیں گے''......

بہت ساروں کو، جو اپنے فکر وعقیدے اور اپنے فکر ومنہج کا رشتہ بس چند عشرے یا چند صدیاں پیچھے تک ہی جوڑ سکتے ہیں...... 'بار بار کے حوالے' دینے کیلئے جن کو دورِ آخر کے بعض اکابرین کا ہی نام سجھائی دیتا ہے اور اس سے پیچھے ان کی نظر جا ہی نہیں پاتی...... ان بہت ساروں کو یہاں وہاں سے اٹھا کر دورِ سلف میں لے جانا اور وہاں سے ان کے فہم وفکر کی ساخت کروا کر ان کو ان کے اپنے دور میں لے آنا اور اپنے دور کے حقائق کا سامنا کروانا...... 'مسلم شخصیت' کے ایک بڑی سطح پر نمودار ہونے سے یہ بھی باقاعدہ طور پر ہماری مراد ہے۔

تواضع، انکساری اور حفظِ مراتب کے ساتھ ساتھ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی جرات رکھنا اور اس پر لومة لائم سے بے خوف ہونا اور خدالگتی بات کہنا...... علم، تحقیق اور انصاف کی بات کر گزرنا اور خدالگتی بات ہر حال میں کہہ دینا...... اخلاصِ نیت رکھتے ہوئے اس معاملے میں صرف خدا سے ڈرنا اور کسی طعنۂ ملامت سے نہ ڈرنا اور عاقبت صرف تقوی کیلئے جاننا اس شخصیت کا ایک اہم جزو ہوگا۔

یا ایها الذین أمنوا اتقوا اللّٰه وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰه ورسوله فقد فاز فوزاً عظیماً

(الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

---

(۱) بخاری، عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، كتاب الأیمان والنذور

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی بات کیا کرو۔ (اس سے) اللہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرلے اس نے بڑی مراد پالی"۔

یاایھا الذین أمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتي اللّٰه بقوم یحبهم ویحبونه أذلة علی المومنین أعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل اللّٰه ولا یخافون لومة لائم ذلک فضل اللّٰه یوتیه من یشاء واللّٰه ذو الفضل العظیم (المائدۃ:۵۴)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسے لوگوں کو لائے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے"۔

☆☆☆☆☆

''سَلَفیت'' ہر پہلو سے 'قدیم' ہونا نہیں!

سماجی جہتیں

''عصریت'' اس شخصیت کی ایک اور اہم جہت ہے......

اپنے دور کے ساتھ ایک مؤثر، زوردار، صحت مند، با مقصد اور پیدآور تفاعل an effectual, dynamic, healthy, purposeful and prolific interaction کرنا ''مسلم شخصیت'' کا ایک نہایت اہم وصف بھی ہے اور زمین پر اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کے لئے اِس کی ایک بنیادی ترین ضرورت بھی......

یہ ایک ایسی ڈائنامک شخصیت ہے جو اپنے زمانے کو بہت کچھ دے رہی ہوتی ہے تو بیک وقت بہت کچھ اس سے لے رہی ہوتی ہے۔ بہت کچھ اِس کے پاس زمانے کو دینے کیلئے ہوتا ہے اور بہت کچھ زمانے سے لینے کیلئے...... کہ اِس 'لین اور دین' transaction کیلئے یہ ایک ایسی زبردست صالح بنیاد اپنے پاس رکھتی ہے، جو کہ اِس کو انسانی دنیا کا نہایت منفرد واقعہ بنادے، بلکہ تو رشکِ خلائق۔

اِس کے لئے 'عقیدہ' اور 'حقائقِ دین' جس چیز کا نام ہے وہ وہ نہیں جو اِس کو زمانے سے 'غائب' کردے اور 'ماضی' میں کہیں روپوش کرادے، چاہے وہ ماضی اِس کے لئے کتنا ہی درخشاں کیوں نہ ہو اور بے شک وہ دور سلف کا دور کیوں نہ ہو۔ 'عقیدہ' اور 'حقائقِ دین' اس کے لئے جس چیز کا نام ہے وہ وہ ہے جو اِس کو اس زمین کے اندر بھی ایک زبردست بلکہ تو مرکزی ترین کردار ادا کرنے کے قابل بنائے اور آخرت کے لامتناہی جہان میں بھی بہترین مرتبہ ومقام دلوائے۔ یہ عقیدہ اس کو دو جہان کی سرخروئی وسروَری دلانے آیا

ہے، اور یہ ''حیاتِ طیبہ'' جو اِس کو اپنے اِس عقیدہ پر آنے سے دستیاب ہوتی ہے یہاں سے شروع ہوتی ہے اور آخرت تک پہنچتی ہے......

ومن یعمل من الصالحات من ذکر أو أنثیٰ وهو مؤمن فلنحیینه حیاة طیبة ولنجزینهم أجرهم بأحسن ما کانوا یعملون(۱)

'عقیدہ سے وجود پایا ہونا' اِس کیلئے ایک ایسی اہلیت کا نام بھی ہے جس سے یہ زمانے کو نہایت صالح اشیاء اور رجحانات دے سکے اور جس سے یہ زمانے کی دنیا و آخرت، ہر دو امر میں، زمانے کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہستی ثابت ہو...... جبکہ وہ بہت کچھ جو زمانے کے انسان کے پاس پایا گیا ہو، خصوصا وہ علوم اور فنون اور وہ سب صلاحیتیں اور قابلیتیں جو انسانی عقل وشعور کی نشو ونما میں مددگار اور انسانی بہبود کے معاملہ میں کارآمد ہوں، ان صلاحیتوں اور قابلیتوں کو یہ اپنی متاعِ گم شدہ جانے......

جس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اِس کا عقیدہ اِس کو ایک ایسی وسیع ودوررس 'نظر' دے چکا ہو جس سے یہ اپنے ماحول اور اپنی دنیا کے ساتھ اس 'صحت مند تبادلۂ اشیاء' پر پوری پوری قدرت پائے...... 'عقیدہ' اس کو وہ گہری بصیرت عطا کر چکا ہو جس کی بدولت وہ سب 'چینل' اس کی نظر میں ہوں جو اپنے اور زمانے کے مابین اس کو لازماً کھلے رکھنے ہیں اور جن کا 'بند' کیا جانا اِس کے اور زمانے کے، ہر دو کے مفاد میں نہیں۔ کیونکہ اِن کے بند ہونے سے 'مسلمان' اور 'زمانے' کا وہ تفاعل دھیما پڑتا ہے جس کا جاری رہنا زمین پر زندگی کی بقاء کے لئے حد درجہ لازم ہے۔ بلکہ ان کا بند ہونا اس قدر نقصان دہ ہے کہ مسلمان زمانے میں رہتے ہوئے بلکہ کروڑوں میں ہوتے ہوئے 'غائب' ہوتا ہے!

---

(۱) النحل: ۹۷ ''جو بھی درست وخوب عمل کرنے لگے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ضرور بضرور ہم اسے ایک نہایت بھلی زندگی جینے کو دیں گے، اور ضرور بضرور ہم ان کے بہترین اعمال کا ہی ان کو بدلہ دیں گے''۔

وہ کیسی عجیب دنیا ہے جس میں مسلمان صرف 'مسجدوں'، 'مدرسوں' اور 'کانفرنسوں' و 'پروگراموں' میں ہی 'سنائی' دے رہا ہو، اور وہ بھی بڑی حد تک 'مذہبی' معنوں میں ہی یا پھر اپنے خلاف دنیا کی زیادتیوں پر 'احتجاج' کرنے اور زیادہ ہوا تو قتال کی صدا بلند کرنے کے لئے ہی...... جبکہ وقت کے 'معاشرے' اور 'سماجی دھارے'، اس 'مسلم آواز' کے معاملہ میں آخری حد تک سنسان نظر آتے ہوں!

بلکہ...... یہ کہ وقت کے 'سماجی دھاروں' اور 'معاشرتی رجحانوں' کے اندر 'مسلمان' بھی بولے، وہ اہلیت ہی یہ بہت عرصہ سے کھو چکا ہو!

بلکہ یہ 'سماجی دھارے' اور زمانے کے یہ 'فکری و نظریاتی فیشن' ہیں کیا بلا، اور یہ وجود میں آتے کیسے ہیں، اور یہ ایک بے قابو طوفان کی صورت دھار کیسے لیتے ہیں، اور ایسے طوفان اس کے گلی محلوں میں وہ 'غیر' ہی کیوں اٹھا جاتے ہیں آخر خود یہ اپنی دنیا میں ویسا ایک صالح طوفان کیوں نہیں اٹھا پاتا، جیسا کہ اپنی تاریخ کی ابتدا میں اِس نے اپنی تہذیبی صلاحیت سے کام لے کر عالم میں ایک زورآور ترین طوفان برپا کیا بھی تھا، اور جس کی بدولت مکہ کے ایامِ محکومی میں بھی یہ ذہنوں اور دلوں پر چھا جانے اور عقول کو مفتوح کر لینے والی ایک دل کش حقیقت بن گیا تھا؟...... سب سے پہلے تو یہی اِس پر واضح نہ ہو، اور یہ بدیسی تہذیبوں کے ایک کے بعد ایک اٹھنے والے جھکڑ کے آگے اپنے گھر کے کواڑ ہی اٹھ کر بار بار بند کرنے کے سوا، اس مسئلہ کا کوئی 'حل' نہ پاتا ہو!

اس طرزِ تفکیر کے نتیجے میں اِس کے اِس معرکۂ خیر وشر کا خود بخود یہ نقشہ بنے گا، بلکہ نیکی کا یہ اعلیٰ تصور جانا جائے گا، کہ دنیا ہمیشہ 'عمل' کرے گی اور یہ ہمیشہ اس سے اپنا 'بچاؤ'! یہ 'بچ' جائے تو یہ 'جیتا' اور دنیا کا کوئی وار چل جائے، اِس پر نہیں تو اس کے بھائی بندوں پر، بیٹوں پر نہیں تو پوتوں پوتیوں پر، اور وار تو وار ہے خالی جاتا ہے تو کبھی چل بھی جاتا ہے، اور ہوتا تو بہرحال یہ 'چلنے' ہی کے لئے ہے، تو یہ دنیا کی جیت ہوئی!...... یعنی ایک ایسی

تہذیبی جنگ جس میں وار چلے تو دنیا کا نہ چلے تو دنیا کا، اور جس میں 'بچ رہنا' ہی اپنے حق میں کامیابی وسرخروئی کا پیمانہ ہو!!!

کیا ایک ایسی تہذیبی جنگ بھی ہمیں دیکھنا تھی جس میں مسلمان صرف 'بچتا' پھر رہا ہو!...... ''مسلمان'' جو تہذیبوں کا خالق رہا ہے، قلوب کا فاتح، عقول کو مغلوب اور مقہور کر رکھنے والا، شعور کو غذا دینے والا اور فطرت سے خطاب کرنے والا!!!

اور جب کہ معاملہ یہ ہو کہ جس جنگ میں ہم یوں 'قلعہ بند' ہو کر لڑنے کی تدبیر پر عمل پیرا ہوں وہ جنگ ہو ہی ہمارا اصل میدان نہ کہ 'اُن' کا یا حتی کہ دنیا کی کسی بھی اور قوم کا! یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہمارے ہزار سال شاہد ہیں اور جس کا نظارہ دنیا کو ہم نے تاتاریوں سے ہار جانے کے باوجود کرایا اور صلیبیوں سے شکست پر شکست کھاتے چلے جانے کے باوجود اپنی تہذیبی برتری کی اس جہت کو ہم پھر بھی نمایاں کرکے رہے تھے......

☆☆☆☆☆

پھر مسئلہ صرف اتنا نہیں کہ یہ جو آسمانی ہدایت سے محروم دنیا ہے، ہم اس کے کسی 'وار' سے آیا بچ پاتے ہیں یا نہیں۔ یہ اس معاملہ کی صرف ایک جہت ہے نہ کہ کل جہت۔ درست ہے کہ بعض جہتوں سے یہ ہم پر 'وار' بھی کرتی ہے اور کرے گی، کہ یہ اصل ہدایت سے تہی دست ہے، مگر کئی فنکشن اس 'دنیا' کے ابھی اور بھی ہیں جن کا ہم پر روپوش رہنا درست نہ ہوگا۔

عقل اور دانش دراصل پوری انسانیت کے اندر بکھیر دی گئی ہے اور ہر ابن آدم کو ہی اس سے کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ پھر اس کی ترقی وافزودگی انسانی جہد کا نتیجہ بنا دی گئی ہے جس کے اندر کافر کیا مسلمان، ہر قوم ہر معاشرہ اور ہر قبیلہ اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ انسان زمین پر اپنے اس عمرانی سفر میں مسلسل آگے بڑھ رہا ہے اور اس کو 'روک' دینا اسلام کا تقاضا نہیں بلکہ اسلام کا تقاضا ہے تو وہ صرف یہ کہ یہ عالمِ انسان کی اس تہذیبی پیش رفت کو

اپنے ڈھب پر لے آئے اور اس کی 'جہت' پر اثر انداز ہونے کے لئے اس امت کو ایک صالح سرگرمی سونپے......

......اور یہیں سے زمین میں اسلامی کردار کی ایک زبردست فکری اور ثقافتی جہت تشکیل پاتی ہے اور دنیا کے ساتھ اس کے رشتہ کی ایک منفرد ترین نوعیت بھی۔

چنانچہ ایک خاص معنیٰ میں زمین پر انسانی سفر کو آگے بڑھانے اور اس کے ہر ہر موڑ کو حددرجہ دل چسپ بنانے کے لئے، بے شمار پہلوؤں سے، پوری دنیا کی عقول اور قوائے دانش ہی کو ایک ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ انسانیت کے اس مجموعی سفر میں صرف صالحین کو ہی نہیں پایا جانا، ورنہ یہ فرشتوں کا جہان ہوتا جس میں حق کے سوا کسی چیز کی گنجائش ہی نہیں۔ اس میں صرف بدکاروں کو بھی نہیں پایا جانا، ورنہ یہ شیاطین کا جہان ہوتا جس میں حق نام کو نہ ہونا چاہیے۔ یہ انسان کا جہان ہے، جس میں کردار ہر ایک کو ادا کرنا ہے اور لازماً ادا کرنا ہے، البتہ اس کی مجموعی جہت پر حاوی ہونے کے لئے ہر ایک کو زور لگانے کی بھی کھلی دعوت ہے اور ہر ایک کو ہی اپنے انسانی قویٰ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے نتیجہ میں ___ کچھ خاص حدود کا پابند رہتے ہوئے ___ کامیابی کی امید دلائی گئی ہے۔ البتہ اس کشمکش کا اصل میدان انسانی عقل ہے اور انسانی سماج اور انسانی رویے اور انسانی رجحانات اور انسانی نشاط کے کثیر النوع مظاہر۔

☆☆☆☆☆

یقیناً اس کشمکش کے 'نتائج' پر اثر انداز ہونے کے معاملہ میں 'دھونس' بھی میدان میں آجاتی ہے اور یہ انسانی سرشت کا حصہ ہے جبکہ انسان ہدایت سے دور ہو، اِنَّهُ كَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً (۱) ......اور بے ہدایت و بے قاعدہ انسان کی اس سرکشی اور طغیانی کے پیش

(۱) الأحزاب:۷۲ ''بے شک وہ (انسان) ہمیشہ سے ہے بڑھ جانے والا ظلم میں اور بڑھ جانے والا جہالت میں''۔

نظر جو کہ ہر حد سے گزر جانا اپنے لئے روا جانتی ہے اور اگر اس کو نکیل ڈال رکھنے میں سستی ہو جائے تو کسی وقت یہ دنیا کے اندر ایک بڑی ہڑبونگ کا سبب بنتی ہے...... شریعت نے امتِ اسلام کے لئے بلاشبہہ قتال بھی مشروع ٹھہرا دیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا حکم باقی رکھا ہے، اس لئے کہ اکثر یہ کشمکش عقل اور فطرت اور حجت کے دائرہ سے نکل کر دھونس اور زبردستی اور سرکشی کا رخ دھار لیتی ہے اور اس لئے کہ لاتوں کے بھوت بھی بہرحال اسی دنیا میں پائے جاتے ہیں جن کے لئے باتوں کی زبان لایعنی ہوتی ہے اور کسی وقت تو 'لغو' کے درجے میں شمار ہوسکتی ہے، اور ایسے سرکشوں کے باعث دنیا کو اس کا کھویا ہوا توازن واپس دلانے کے لئے زور اور قوت کا استعمال کرنا بجا طور پر صالحین کا فرض ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک بہت بڑی سطح پر آج اس وقت فرض ہو بھی چکا ہے اور بڑی دیر سے خدا ترس وحق پرست مجاہدین کا منتظر: وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَىٰ الْعَالَمِيْنَ(۱)......

جبکہ شریعت، انسانی حقائق اور انسانی وقائع کے ساتھ ایک ٹھیک ٹھیک معاملہ کرانے کے لئے آئی ہے نہ کہ اپنے پیروکاروں کو 'بھینس کے آگے بین بجانے' ایسے غیر فطری رویوں کا مکلّف ٹھہرانے اور نہ ان کو اس بات کا پابند کرنے کہ ہر قسم کے عدوان پر مُصر اور ہر حد سے تجاوز کر جانے پر بضد بدطینت شیاطین کو ہمیشہ یہ الفاظ ہی کے سُر سنایا کریں اور طاقت کے نشہ میں دھت باطل کو جوحق اور اہل حق کو تہس نہس کر دینے کے سوا کسی اور سرگرمی سے واقف ہی نہ رہ گیا ہو، اس سے بڑھ کر کوئی 'اذیت' دینے کے روادار نہ ہوں کہ 'اخلاق' کی اپیلوں سے ہی اس کی سمع خراشی ہو تو ہو اور امن وچین کے 'فضائل' سے ہی یہ اس کی راحت میں کبھی مخل ہوسکیں تو ہوں......!!!

---

(۱) البقرۃ:۲۵۱ ''اور اگر کہیں اللہ (یہاں) انسانوں کو ایک دوسرے کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا پورا نظام ہی درہم برہم ہو رہتا، مگر اللہ تو بڑے ہی فضل والا ہے جہانوں پر''۔

اب چونکہ ''قتال'' بھی اس مسئلے کی باقاعدہ ایک جہت بن جاتی ہے، اور یہ ایک برحق جہت ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت تک اس کا باقی رہنا اصول اہلسنت میں باقاعدہ طور پر شامل ہے، کہ اس امت کا عالمی کردار قیامت تک کے لئے باقی ہے، یوں قتال کو منسوخ یا اس کو زمانۂ نبوت کے ساتھ خاص ٹھہرانے والے اہلِ اھواء ہو سکتے ہیں نہ کہ اہل سنت...... لہٰذا یہ جہت بھی اختصار کے ساتھ مذکور ہو جانا یہیں ضروری تھا۔

☆☆☆☆☆

تاہم یہ واضح ہے کہ مسئلے کی خاص یہ جہت ــــ یعنی قتال ــــ معاملے کو ایک خاص معمول پر لانے اور رکھنے کے لئے ہے۔ البتہ خود یہ 'معمول' ہے کیا اور اس کے اندر 'کام' کرنے اور 'سرگرم' ہونے اور رہنے کے کیا تقاضے ہیں؟؟؟ یعنی اس عمومی معنیٰ میں، انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے کے کیا طریقے اور کیا صورتیں اور کیا ذریعے ہو سکتے ہیں؟؟؟ اصل سوال اس بحث میں فی الوقت یہ ہے اور ہماری اس حالیہ گفتگو کا موضوع بھی درحقیقت یہ ہے۔

اس سوال کے جواب میں شاید آپ کہیں کہ جہاں اور جب قتال ضروری نہ ہو یا ضروری تو ہو مگر ممکن نہ ہو، وہاں 'دعوت' کے ذریعے انسانی زندگی پر اثر انداز ہوا جائے گا۔ ایک لحاظ سے یہ جواب درست ہے۔ مگر اس کا ابہام حد سے زیادہ ہے۔ عام مفہوم میں 'دعوت' جس چیز کا نام ہے وہ ایک میکانکی سے انداز میں 'عقیدے کی کچھ عبارتیں' تبدیل کروانے سے عبارت ہے یا کچھ مخصوص 'اعمال' کروا لینے یا کچھ 'امتیازی مسائل' منوا لینے سے، اس سے ''زندگی کا دھارا'' بھلا کیونکر تبدیل ہونے لگا!!!!!؟؟؟؟؟

'دعوت' دراصل ایک بہت وسیع معنیٰ کی حامل اصطلاح ہے۔ ابھی جس چیز کو ہم نے 'انسانی زندگی پر اثر انداز ہونا' کہا ہے یہ ہی تو اصل میں 'دعوت' ہے، نہ کہ لوگوں کو چند 'اعتقادات' کا قائل کروا لینا یا ان سے چند 'اعمال' کروانے لگنا، جو کہ 'دعوت' کا ایک بے حد

ناقص اور محدود مفہوم ہے اور جس کا ذہنوں کے اندر سکڑ جانا، ہم جانتے ہیں، بہت سے تاریخی عوامل کا مرہونِ منت ہے، خصوصاً دعوتِ انبیاء کی حقیقت کا ایک بڑی سطح پر ذہنوں سے اوجھل ہو جانا۔ چنانچہ 'انسانی زندگی پر اثر انداز ہونا' ہی درحقیقت ''دعوت'' ہے، حتی کہ 'قتال' تک اسی کے مراحل میں سے ایک 'مرحلہ' یا ایک 'صورت' ہو سکتی ہے، لہٰذا دعوت اس عمل کا 'ذریعہ' نہیں، کیونکہ خود اِس عمل ہی کا دوسرا نام دعوت ہے، پس لامحالہ ہمیں ان ذریعوں medias کا تعین کرنا ہوگا جو اس 'عمل' کو انجام دینے کے لئے ہمیں دراصل درکار ہوں گے......

جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں اس عمل کا اصل میدان ___ قلوب کے علاوہ ___ انسانی عقل ہے اور انسانی سماج اور انسانی رویے اور انسانی رجحانات اور انسانی نشاط کے کثیر النوع مظاہر[1]۔ آپ کی اصل اہلیت اور اصل صلاحیت درحقیقت یہاں دیکھی

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ شریعت کے اندر اس قدر زیادہ اور کثیر التنوع ابواب ہیں جو انسانی ذہن اور انسانی ضرورت کی وسعت کے ساتھ ایک بہترین انداز میں پورا اترتے ہیں۔ صحیح بخاری کے ابواب ہی ذرا ایک نظر دیکھ لئے جائیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے (خصوصاً اگر آدمی زندگی کے مختلف شعبوں سے اچھی واقفیت رکھتا ہو)۔ خود قرآن مجید میں قلوب اور عقول کے عمل کے لئے اتنا کچھ ہے کہ انسانی تصور سے باہر ہے۔ پھر اسلامی علوم کے ان گنت فروع پر نظر ڈالیں اور اسلامی فنون کا وہ عظیم الشان ارتقاء دیکھیں جو کہ سلف کے جہابذۂ علم کے ہاتھوں عمل میں آیا اور جو کہ زمانے کے ساتھ پورا اترنے میں اپنے اندر کمال کی جہتیں رکھتا رہا ہے تو اسلام کے تہذیبی کردار کے ہزاروں دریچے آپ کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ اور تو اور ایک فقہ مالکی ہی کے بارے میں کئی ایک یورپی محققین کا کہنا ہے ___ مالکی فقہ اس لئے کہ اندلس میں معمول بہ رہی ہے، جبکہ ''مسلم اندلس'' یورپ کے لئے ایک تعلیم گاہ کا درجہ رکھے رہا ہے ___ کہ یورپ کے اندر ہونے والے تشریعی ارتقاء میں اور jurisprudence کے اندر ہونے والی صدیوں پر حاوی پیشرفت میں فقہِ مالکؒ کا بے حد اہم کردار رہا ہے! یہ صرف آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ 'قرآن حدیث' سے چند 'مذہبی' مسائل اخذ کر لیا جانا 'وحی کی جانب رجوع' کے باب میں کیا جانا والا 'کل کام' سمجھ لیا گیا ہے! سطحیت ہمارا آج کا سب سے بڑا رونا ہے۔

جائے گی کہ اس کو آپ کہاں تک متاثر کر سکتے ہیں، اس کو دینے کے لئے آپ کے پاس کیا ہے اور اس سے کچھ لے سکنے کی آپ کے پاس کیا صورت؟ اور یہاں پر انسانی عقول کے ثمرات کا جو ایک تبادلہ trade ہوتا ہے، اور جو کہ دنیا کے اندر کسی وقت رکنے میں نہیں آتا، اس میں آپ خاص اپنے 'اصولوں' سے کام لے کر کہاں تک پورا اتر سکتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے جو تحریک کھڑی کی تھی یقیناً اس میں 'دعوت' بھی تھی اور 'قتال' بھی، 'ہجرت' بھی اور 'جہاد' بھی اور 'نظام' بھی اور 'حکومت' بھی......مگر درحقیقت اس کے اندر جو روح تھی وہ اس کی وہ اہلیت تھی جو 'قلوب اور عقول کو متاثر کر لینے' اور پھر خصوصاً 'قلوب اور عقول کو کرنے کا بہت سا کام دے سکنے' سے عبارت ہے اور زمانے کے ساتھ ایک نہایت عمدہ تفاعل کر لینے اور ___ ایک بہترین بنیاد پر آ کر ___ ماحول کو بہت کچھ دینے اور پھر ماحول سے بہت کچھ 'نکلوا' لینے کی نہایت صالح اور پیدآور صلاحیت پا رکھنے سے۔

سچ تو یہ ہے کہ 'قیادت' کی آپ تعریف کرنا چاہیں تو وہ بھی یہی بنتی ہے۔ ہماری اصطلاح میں اس کو 'امامت' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے یہ اَبعاد diamensions ہم پر واضح ہو جائیں تو 'دنیا کی امامت' بلا شبہہ ہمارا ہی منصب ہے، کیونکہ دنیا کی سب اقوام واجناس کے ذہن وخرد کے ساتھ بہترین بنیاد پر ایک تبادلۂ ثمرات trade of fruits کر لینا اور اس عمل کی بہترین نسبت تناسب کا پتہ رکھنا ہمارے ہی لئے ممکن ہے، اور یہ نعمت درحقیقت ہمارے ہی عقیدے کی دین ہے۔

یقیناً کسی تہذیب کی پیش قدمی کے دوران ہر قسم کی صورتحال پیش آتی ہے اور ایسے ہر ہر مرحلے سے ہمت و پامردی اور دانشمندی کے ساتھ گزرنا اس سے بلا شبہہ مطلوب ہوتا ہے، وہ امن ہو یا جنگ، ہجرت ہو یا قتال، حکومت ہو یا استضعاف سب کچھ 'حالات' اور 'صورتحال' سے متعلق ہے...... البتہ یہ تعین کر رکھنا بے حد ضروری ہے، اور

یہی ہماری اس گفتگو کا مقصد بھی، کہ تہذیب کا اصل میدان ہے یہی، یعنی انسانی عقل وادراک، انسانی شعور، سماجی رجحانات اور بنی نوع انسان کا عمرانی نشاط۔ یہ بہرحال واضح رہنا چاہیے کہ آپ کے عمل کا اصل میدان یہی ہوگا اور کچھ کر دکھانے کا اصل چیلنج بھی آپ کو یہیں درپیش ہوگا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ قتال و ہجرت و جہاد وغیرہ، بصورتِ کامیابی، آپ کو جو چیز فراہم کریں گے وہ عمل کا یہ 'میدان' ہی ہے اور آپ کا اصل امتحان ہونا ہے تو پھر بھی یہیں پر ہونا ہے!

یہی وجہ ہے کہ اس میدان کا ہی اصل تعین نہ ہو تو تیر و شمشیر کی جنگ میں جیت جانے کے باوجود اس میدان میں آپ پھر ہار جاتے ہیں جیسا کہ مغلوب مسلمانوں کے مقابلے میں غالب تاتاریوں کے ساتھ ہوا، اور یونانی مفتوحین کے مقابلے میں رومی فاتحین کے ساتھ ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆

ان چند جملہ ہائے معترضہ کے بعد ہم وہیں پر واپس آجاتے ہیں......

انسان کا عمرانی سفر ہر دور میں کچھ خاص عوامل کے زیر اثر ایک نیا موڑ کاٹ رہا ہوتا ہے، جن سے آپ لاتعلق رہیں گے تو اس کی قیمت آپ کو اور آپ کی نسلوں کو 'پسماندگی' اور 'ناتوانی' کی صورت میں دینا پڑے گی۔

بنی نوع انسان کی سماجی صلاحیتیں ہر لمحے کچھ نہ کچھ پیدا کر رہی ہوتی ہیں۔ ہر ایک اس میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ البتہ ایک اجتماعی معنیٰ میں انسانی عقل و دانش کا یہ رس اور یہ نچوڑ پوری انسانیت کی ملکیت ہوتا ہے اور لمحہ بہ لمحہ یہاں معاشروں کی ضرورت رہتا ہے۔ اس سے جو چیز لی جانے والی ہو اس کے لینے میں تاخیر ہو جانا کسی وقت ایک بڑے نقصان کا باعث بنتا ہے اور اس میں تعطل کا آنا ایک بڑے عدم توازن کا پیش خیمہ۔ صرف 'سائنسی ایجادات' اور 'الیکٹرانکس کے ساز و سامان' یا 'ہتھیاروں کے حصول' کے معاملے میں نہیں، جیسا کہ ہمارے بعض دیندار طبقے اب کہیں جا کر اس حد تک 'وسیع النظر'

ہو جانے پر 'آمادہ' بھی نظر آتے ہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علمی وفکری وسماجی پہلوؤں سے بھی یہ ضرورت برقرار رہتی ہے۔ گو یہ سچ ہے کہ 'مادی اشیاء' کے معاملہ میں یہ لین دین بہت آسان ہے، اور 'بلیک مارکیٹ' بھی ایسے کسی بحران کا ایک حل ہے، البتہ عقلی وفکری و سماجی میدانوں میں یہ 'تبادلۂ مصنوعات' بے حد مشکل اور چیلنج کن، کیونکہ اس میں 'لین' کے لئے 'دین' کی ایک بھاری اہلیت مطلوب ہے بلکہ تو 'لین' ہی کے لئے پہلے ایک 'نظر' درکار ہے!

پس ہدایت سے تہی دست انسانیت کے ہاں صرف وہی چیز نہیں پائی جاتی جس سے آپ کو 'بچ' کر رہنا ہے، جیسا کہ اپنے یہاں پائی جانے والی ایک 'قلعہ بند' ذہنیت کے حوالے سے ہم پیچھے کچھ بات کر آئے ہیں......

اس انسانی دنیا کے ساتھ پورا اترنا ایک کثیر جہت معاملہ ہے۔ بہت پہلوؤں سے آپ کو اس سے بچنا ہے، وگرنہ آپ کی دنیا وآخرت سب جاسکتی ہے۔ بہت پہلوؤں سے آپ کو اس سے خاصا کچھ لینا ہے، وگرنہ آپ بہت پیچھے رہ جائیں گے اور 'زمانے' کو آوازیں دے دے کر تھک جائیں گے تا آنکہ آپ کو لگے گا کہ یہ 'قیامت کی چال' چل گیا ہے، حالانکہ بیٹھے صرف آپ رہے تھے زمانہ تو بس اپنی رفتار چلتا ہے! بہت پہلوؤں سے آپ کو اسے بہت کچھ دینا ہے، وگرنہ آپ اور آپ کے بچے یہاں فکری وسماجی وتہذیبی معنیٰ میں دنیا کی ایک غیر پیدآور non-productive صنف اور 'صارفین' کا ایک قابل ترس گروہ a passive segment of consumers ہو کر رہ جائیں گے، اور 'سیلاب' کا سب پانی آپ کے گھر آنے لگے گا اور ہر چند سال بعد آپ کو گھر 'اونچے' کرانے کی ضرورت درپیش ہوگی اور ایک ایک درز بھی سو سو بار موندنا پڑے گی......!

پس یہ اپنی وہ دنیا ہے جس سے آپ کو بچنا بھی ہے، جس میں آپ کو رہنا بھی ہے، جس سے بہت کچھ آپ کو لینا بھی ہے اور جسے بہت کچھ آپ کو دینا بھی ہے......اور اس

سارے عمل میں آپ کو اس سے ایک اتصال communication تو بہر حال رکھنا ہے۔ اس اتصال کی ایک خاص فریکونسی frequency برابر آپ کی ضرورت رہے گی جس کو ایک پورے تسلسل کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مؤثر tune up کرتے رہنا پڑے گا۔ آپ اِسے سمجھیں گے اور اِسے آپ کو سمجھنا ہوگا۔ اپنے دور اور زمانے کو 'سمجھنا' زمانے کو اپنی بات 'سمجھانے' کیلئے ایک پیشگی شرط رہے گی۔ یہاں یکطرفہ One Way ٹریفک آپ نہیں چلا سکتے! آپ کا زمانہ آپ کو آگے بڑھنے کی راہ دینے کیلئے کیا کیا امکانات اپنی کوکھ میں رکھتا ہے؟ اور کیا کیا امکانات اپنی دانشمندی اور فاعلیت سے کام لے کر خود آپ کو یہاں پیدا کرنا ہیں؟ اور یہ کہ آپ کا یہ دور جیسا ہے ویسا بنا کیسے اور اس کے ایسا بن جانے میں کیا کیا عوامل کارفرما رہے اور ابھی تک کارفرما ہیں؟ اپنے دور کی ان سب رمزوں کو سمجھنا اور جاننا 'زمانہ فہمی' کا ہی ایک باقاعدہ حصہ ہے۔

'آپ کے پاس وحی ہے اور اس سے بڑھ کر کسی کے پاس کیا ہوسکتا ہے'، یہ بات سو فیصد درست ہونے کے باوجود، اِس امر سے آپ کو کفایت نہیں کرے گی کہ اپنے دور کے اندر خود آپ ہی کا ایک کردار ہو۔ وحی آپ کو یہ کردار ادا کرنے میں 'مدد' ضرور دے گی بلکہ وہ ہے ہی آپ کو اس میں مدد دینے کے لئے، مگر 'کردار' یہ بہر حال 'آپ' ہی کا ہوگا۔

پس یہ وحی تو وحی ہے اور یہ جو ہے ہمیشہ ویسی ہی رہے گی۔ نہ اس میں کسی وقت کوئی کمی آئے گی اور نہ بیشی اور نہ کوئی بھی تبدیلی۔ یہاں کوئی 'تبدیلی' آئے گی اور 'زمانے' کو کچھ فرق پڑے گا تو وہ 'آپ' کے دم سے پڑے گا۔ یعنی آپ وحی اور زمانے کے مابین ایک نقطۂ اتصال بنیں گے۔ پس ایک جانب آپ کو ضرورت ہے کہ ''وحی'' سے آپ کا علمی وفکری وجود جنم پائے، نہ کہ 'محدثاتِ امور' سے۔ دوسری طرف آپ کو ضرورت ہوگی کہ 'سماج' سے اتصال کی ایک صحیح ترین فریکونسی تک آپ کو رسائی ہو، نہ یہ کہ زمانے سے کٹے رہنے میں آپ اپنا 'امتیاز' دیکھیں۔ نہ اِس سے کوئی چارہ ہوگا اور

نہ اُس سے۔ ہاں یہ سب عوامل اکٹھے ہوں تو زمین پر ایک صالح تہذیب کی پرورش ہونے لگنا یقینی ہے۔

آسمان سے ''وحی'' کی صورت میں ہمارے لئے صرف وہ چیز اتری ہے جو دنیا میں کہیں پائی ہی نہیں جاسکتی اور جس تک دنیا کے کسی بڑے سے بڑے نابغہ اور کسی عظیم سے عظیم عبقری کی رسائی نہیں۔ البتہ وہ بہت کچھ بلکہ سب کچھ جس کی پیداوار اس زمین پر ہوتی ہے اور وہ اپنے وجود میں آنے کے لئے انسانی عقل وخرد ہی کے راستے چاہتی ہے وہ سب کچھ ہمیں یہیں زمین پر ہی تلاش کرنا ہے......

اور تو اور، مقاصدِ شریعت کا فہم و استیعاب بھی صحیح طور پر ہمیں سماج کے ساتھ اتصال کے دوران ملے گا...... 'دنیا' کے ساتھ معاملہ کرنے سے ہم پر ''وحی'' کے بھی وہ بہت سے جوانب آشکار ہوں گے جو ایک عمرانی عمل سے دور رہتے ہوئے ہم پر واضح ہی نہ ہو پائیں۔ پس ''وحی'' کا فہم بھی ایک بڑی حد تک ہمارے 'معاشرے' میں پائے جانے پر منحصر ہے۔ مروجہ معنوں میں 'درس و تدریس' اس کی صرف ایک جہت ہے، جو کہ اپنی جگہ بے حد ضروری ہے اور ابتدائی طور پر تو یہی مطلوب ہے۔ البتہ وحی کے بہت سے اشارے اور مضامین ہمیں معاشرے کے اندر رہتے ہوئے ہی سمجھ آئیں گے اور اس کے بہت سے جوانب اور اس کے کئی ایک پس منظر ہم پر سماج کے وسط میں رہتے ہوئے ہی منکشف ہوں گے۔ وجہ یہ کہ ''وحی'' دراصل عمرانی عمل ہی کو راستے دکھانے آتی ہے نہ کہ صرف اور صرف اس لئے کہ ہم اس کی نصوص کا 'حفظ' کریں یا محض اس کی روایات کی 'تخریج'!

☆☆☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے جس انسان کے ہاتھ میں وحی دی تھی وہ اپنے دور سے واقف انسان تھا اور اس کا دور اس سے واقف۔ لہٰذا اس انسان کو یہ سمجھنے میں کچھ خاص دِقت پیش نہ آئی کہ یہ وحی اُس کی اِس دنیا میں کیا کیا پیش رفت کرانا چاہتی ہے اور یہ کہ نصوصِ وحی کے اشارے اور کنائے اُس کے اِس ماحول اور گردوپیش میں کس کس طرف کو جارہے ہیں۔

ایسے زمانہ شناس اور دنیا آگاہ [1] انسانوں سے ہی آپ ﷺ کی ابتدائی جماعت تشکیل پائی تھی، نہ کہ معروف معنوں میں 'مذہبی شخصیات' سے یا کسی 'زاویہ نشین' پس منظر سے۔ یہ 'دنیا آگاہ' ہی جب 'خدا آگاہ' بنائے گئے، اور وہ بھی ایک نہایت سادہ، فطری اور بے ساختہ انداز میں، تو ماحول ان کا ایک وزن محسوس کرنے لگا......

رسول اللہ ﷺ کے گرد پائے جانے والے اکثر افراد، سماجی پہلوؤں سے بھی زبردست پس منظر لے کر آئے تھے اور کمال کی صلاحیتوں کے مالک لوگ تھے اور جو کہ اسلام میں آنے سے پہلے ہی ایک بھرپور قسم کے سماجی عمل سے گزر رہے تھے۔ اسلام نے بھی ان کی اس سماجی اہلیت کو زنگ نہیں لگنے دیا بلکہ اِس کو صرف ایک جہت دی جو کہ کمال کی جہت تھی، اور پھر یہیں سے اسلامی حقیقت نے دنیا کے اندر اپنا قدم جما لینے کا ایک زبردست موقعہ پایا اور پھر تو اللہ کے فضل سے معاملہ آگے سے آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔

(۱) بلکہ ایک خاص معنیٰ میں آپ اس شخصیت کو 'دنیادار' بھی کہیں تو شاید بہت غلط نہیں، اگرچہ ایک طبقہ ہماری اس بات کو بہت غلط مفہوم میں لے اور اس پر شدید ردعمل بھی ظاہر کرے۔ البتہ حقیقت یہی ہے کہ یہ 'دیندار' اور 'دنیادار' نام کے 'خانے' ہمارے معاشروں میں بہت بعد میں جا کر بنے، جس کے پیچھے دراصل 'دین و دنیا کی تقسیم' کا فلسفہ ہی کارفرما ہے اور جو کہ ہمارے اسلامی تصورِ حیات سے ہی صاف طور پر متعارض ہے۔ اسلام کی مطلوبہ شخصیت تو وہ ہے جو 'دیندار' ہونے میں بھی اپنی ایک انفرادیت رکھے گی اور اس میں ''صبغة اللہ'' کی صاف ایک جھلک ہوگی، اور 'دنیادار' ہونے میں بھی ویسی ہی ایک انفرادیت اور ویسی ہی خدا آگاہی کی ایک بے ساختہ وفطری جھلک۔ رہی یہ بات کہ 'دنیاداری' کے بہت سے نمونے جن سے دنیا واقف ہے، غلط ہیں اور مسترد ہونے کے قابل...... تو 'دینداری' کے بہت سے نمونے بھی، جن سے دنیا واقف ہے، غلط اور قابلِ اصلاح ہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے تو آخر الذکر زیادہ اصلاح طلب، کیونکہ 'دینداری' کا روایتی تصور درست ہو جائے تو 'دنیاداری' خود بخود عبادت اور باقاعدہ طور پر مطلوبِ دین بن جائے گی۔ یہ 'دنیا' اور 'سماج' مومن کے لئے جب عبادت گاہ ہے، اور اس کی یہ عبادت کچھ مسجد ومحراب کے ساتھ خاص نہیں (گو اُس کی اپنی ایک شان ہے)...... تو پھر ''دنیاداری'' جس سے ''یہ'' واقف ہوگا ''عبادت'' ہی کی ایک صورت ہوگی نہ کہ 'بے دینی' کا ایک مترادف!!!

رسول اللہﷺ کی برپا کردہ اس تبدیلی کا مطالعہ کرنے کی جہاں اور بے شمار جہتیں ہیں وہاں اس کے اندر کام کرنے والی ایک کمال کی ''سماجی نظر'' بھی واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے اور لکھنے والوں نے اس پر بڑے بڑے تھیسس لکھے ہیں۔ ہر قوم اور ہر خطے کے اندر چوٹی کے باصلاحیت افراد کو اپنے ڈھب پر لاکر، کمال کامیابی کے ساتھ، دعوت کی سماجی ومعاشرتی توسیع کرائی گئی۔ سماجی و خاندانی بندھنوں کے ساتھ ساتھ، ادب وشعر کے جو کوئی اعلیٰ اعلیٰ سے امکانات دستیاب ہو سکتے تھے اور جو کہ وقت کا نہایت مؤثر میڈیا تھا، بھرپور طور پر بروئے کار لائے گئے اور ذہنی برتری کی یہ جنگ بھی باقاعدہ اور پورا زور لگا کر لڑی گئی۔ اسی کے نتیجے میں، بجا طور پر، اصحابِ دعوت کی علمی وادبی وفکری دھاک ماحول پر بٹھائی گئی۔ ماحول میں رُلنے والے ہیرے تراش لینے کی زبردست مہارت سامنے لائی گئی، یہاں تک کہ باصلاحیت لوگ اپنے قدردانوں کے متلاشی ہوں تو اسلامی قیادتوں سے بہتر کسی اور کو نہ پائیں......غرض ایک کمال کی نظر تھی جو وحی کے حقائق میں غوطہ زن ہونا ہی نہ جانتی تھی بلکہ سماجی افق پر بھی بہت دور دور تک دیکھنے کی قدرت بخشی گئی تھی...... ایسے ہی امکانات کو بروئے کار لاکر بہت تھوڑی مدت میں سب کے سب سماجی دھارے اپنے ہاتھ میں لے لئے گئے!

عشرہ مبشرہؓ سب چوٹی کے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے روشن دماغ حوصلہ مند پر اعتماد نوجوان تھے اور قریش کے اندر ان کو ایک نہایت معزز مقام حاصل رہا تھا۔ جبکہ خود قریش، عرب میں قلب کی حیثیت رکھتے تھے، اور بعدازاں رسول اللہﷺ کا یہ فرمانا کہ آئندہ قیادتیں صرف قریش سے ہوں گی، اسی سماجی حقیقت کا ایک بیان تھا جس کا کہ شریعت باقاعدہ اعتبار کرتی ہے۔ عرب معاشرے کو قیادت اور سیادت کئی معنوں میں قریش کے یہاں سے میسر آتی رہی تھی اور سیاسی وسماجی وادبی رجحانات صادر کرنے میں بھی اس کی ایک حیثیت تھی۔ مکہ خود عرب کا مرکز تھا اور عرب تہذیب کی

پرورش کا ایک بڑا مرجع اور قرآن کے الفاظ میں بستیوں کی ماں ......''ام القریٰ''! خود نبیﷺ کا اس ام القریٰ کے اندر آنکھ کھولنا، 'عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب' ایسا عظیم الشان نسب رکھنا کہ ایک عرب جسے سنتا رہ جائے، اور عرب کے اس پایہ تخت کے اخص الخاص گھرانے میں پروان چڑھ کر عرب میں جانا جانا، اسلامی حقیقت کی سماجی جہتوں کی جانب اشارہ کرنے میں ایک واضح دلالت رکھتا ہے۔ عشرہ مبشرہ سب کے سب ''ام القریٰ'' کے ان لوگوں میں شمار ہو سکتے ہیں جو اپنے دور اور اپنے ماحول میں سب سے پڑھے لکھے مانے جاتے ہوں۔ پھر عشرہ مبشرہ کے علاوہ بھی، ابتدا ہی میں آپؐ کو ملنے والی ایک کثیر تعداد ایسی تھی جو اپنے دور اور ماحول کے لحاظ سے کسی نہ کسی معنیٰ میں ایک قائدانہ پس منظر سے آئی تھی، گو رسول اللہﷺ کو ہر شخص ہی کا اسلام لانا حد سے بڑھ کر عزیز تھا۔

وحی نے ان افراد کے حاصل ہونے پر پھر اپنے معجزے دکھائے، کہ یہ وحی ہے ہی ایک معجزہ! رسول اللہﷺ نے اس وحی کی بنیاد پر ان افراد کی پھر جو تربیت کی وہ الگ سے انسانی تاریخ کا قابل ذکر ترین معجزہ ہے، کہ رسول اللہﷺ مبعوث ہی معجزات کے ساتھ ہوئے ہیں! ......اور بلاشبہہ آپؐ کے وہ بہت سے اصحابؓ بھی جو کسی بڑے خاندانی یا سماجی پس منظر سے نہ آئے تھے، کئی اور پہلوؤں سے حیران کن خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے اور پھر اسلام کے اس جوہر شناس و جوہر تراش ماحول میں وہ بھی چوٹی کے مقامات کو پہنچے اور جلد ہی بڑے بڑے خاندانوں پر فوقیت پا گئے، کہ یہاں فضیلت پانے کے اپنے ہی معیار ہیں! گو اس کا سہرا بھی بجا طور پر اس ماحول کو جاتا ہے جو گویا ایک اکیڈمی ہے جہاں غریب و پسماندہ گھرانوں کے بچوں کو بھی بلا امتیاز داخلہ ملتا ہے البتہ جب وہ اس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو وہ بھی امیروں ہی کی طرح شاہانہ آداب و رموز سے واقف ہوتے ہیں، اور کسی وقت تو اپنی صلاحیت یا اپنی محنت کے بل پر ان سے بھی کہیں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

'اداروں' کی کارکردگی تو بہرحال یونہی جانچی جاتی ہے!!!

البتہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ سماجی حقائق کے ساتھ معاملہ کرنے میں اسلام کی ابتدائی تحریک کے اندر کمال کی ایک واقعیت اور فاعلیت پائی گئی تھی۔ جیسا کہ ہم نے کہا آسمان سے صرف وہ چیز اترتی ہے جو زمین پر پائی ہی نہیں جاسکتی۔ البتہ جو چیز زمین پر پیدا ہوتی ہے وہ زمین پر ہی تلاش کی جائے گی۔ یہ توازن اور یہ رشتہ جو آسمانی اشراق اور انسانی جوہر کے مابین رکھا جانا ہے، رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اٹھان میں ہمیں بدرجۂ اتم نظر آتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان دیکھئے اس معنیٰ پر دلالت میں کس قدر واضح ہے، بلکہ تو سوال کرنے والے اور بار بار اپنے سوال کا تعین کرنے والے صحابہ کی اس اپروچ پر ہی پہلے ذرا غور فرمائیے:

عن أبی هریرة رضی الله عنه: قیل یا رسول الله من أکرم الناس؟ قال: أتقاهم. فقالوا: لیس عن هذا نسألک. قال: فیوسف نبی الله ابن نبی الله ابن نبی الله ابن خلیل الله. قالوا: لیس عن هذا نسألک. قال فعن معادن العرب تسألون؟ خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا

(صحیح البخاری: کتاب الأنبیاء، باب قول الله تعالی واتخذ الله ابراهیم خلیلا)

روایت ابو ہریرہؓ سے، کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: انسانوں میں سب سے بلند مرتبہ کون ہے؟ فرمایا: وہ جو ان میں سب سے بڑھ کر تقویٰ رکھنے والا ہو۔ صحابہ کہنے لگے: یہ نہیں ہم پوچھ رہے۔ فرمایا: تو پھر یوسف علیہ السلام، جو کہ اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے ایک نبی کے فرزند، اور وہ اللہ کے ایک نبی کے فرزند، اور وہ اللہ کے ایک نبی کے فرزند، جو کہ فرزند ہیں اللہ کے خلیل کے۔ عرض کیا: یہ (بھی) ہم نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: تو کیا عرب کے

معدنوں[۱] کی بابت پوچھتے ہو؟ جاہلیت کے اندر ان میں سے جو برتر ہوں گے وہی اسلام میں برتر ہوں گے، بشرطیکہ (حقیقتِ اسلام کے فہم و کردار میں) خوب گہرے اتر گئے ہوں''

غرض یہ تحریک ان عناصر سے تشکیل پائی تھی جو اپنے دور اور زمانے کے ساتھ تفاعل کرنا جانتے تھے، بلکہ جو اپنے دور اور زمانے کے ساتھ تفاعل کر رہے تھے کہ عین اس حالت میں ان کو اسلام مل گیا اور وہ بھی اصلی ترین حالت میں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے آنکھ 'مسجدوں' اور 'مدرسوں' میں نہیں کھولی تھی۔ 'حجروں' میں ہوش نہیں سنبھالی تھی۔ سماجی جہتیں ان کے لئے اجنبی نہیں تھیں۔ عمرانی سرگرمی ان کے لئے 'عجیب و غریب' نہیں تھی۔ قبائل کی آویزش ان کے لئے نئی نہیں تھی۔ زمانے کی رمزیں ان سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد بھی دی اور مدرسہ بھی، کہ ان کی زندگی میں کمی صرف اسی بات ہی کی تھی۔ 'محراب' کو ان کے نشاط کا منبعِ عمل بنا دینا ان کی اس معاشرتی سرگرمی کو صالح جہت دینے کے لئے ایک نہایت زبردست معنی و دلالت رکھتا تھا۔ پس اِنہوں نے خوب خوب مسجدیں آباد کیں مگر یہ جہاں سے آئے تھے وہ

---

(۱) معدن کا مطلب ہے دھات mettle۔ لغت کے بعض ناقدوں نے، رسول اللہ ﷺ کا انسانوں کو خاص اس سیاق میں دھاتوں اور کانوں سے تشبیہ دینا، عربی مرقع ادب کے ایک نمونے کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔ بلاشبہہ انسانی خام صلاحیتوں کے تنوع اور تفاوت کے لئے استعمال کیا گیا یہ لفظ بے انتہا بلاغت کا حامل ہے۔ پھر، دھاتیں تہذیب و عمران کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھے رہی ہیں۔ کسی چیز کا قدرتی حالت میں کسی خاص انداز سے پایا جانا اور پھر انسانی عمل کے نتیجے میں اس کا کچھ سے کچھ بنا لیا جانا جو انسانی زندگی کے اندر ہزاروں کام دے، 'ماہرین' کو دعوتِ عمل دینے میں کمال کا ایک پیغام رکھتا ہے۔

حدیث کے کئی ایک شارحین نے 'معادن' یعنی دھاتوں اور کانوں سے خاندانی و سماجی پس منظر بھی مراد لیا ہے، جو کہ اس نبوی استعمالِ لفظ کی بلاغت کو دوچند کر دیتا ہے۔

ایک زندہ معاشرہ تھا اوران میں سے بیشتر اسی معاشرے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے آئے تھے۔'مسجد' نے ان کے اس نشاط میں کوئی بھی تعطل نہ آنے دیا۔ بلکہ یہ مسجد بھی ایک ایسی منفرد مسجد تھی جو'عبادت گاہ' ہونے کے ساتھ ساتھ 'فوجی چھاؤنی' تھی تو ایک 'کلچرل سنٹر' بھی......جس نے ان کی اس سرگرمیِ عمل کواور بھی مہمیز دی اوران کی زورآوری کواور بھی چار چاند لگائے۔معاشرے اوران کے مابین وہ سب پل موجود تھے جو طرفین کے اتصال کے لئے مطلوب ہوتے ہیں۔ان کوواقعتاً صرف وحی کی ہی ضرورت تھی جس پر یہ رسول اللہﷺ سے باقاعدہ ایک تربیت پالیں۔ اِن کی یہ ضرورت پوری کردی گئی اوراسلام کا مطلوبہ عمل دنوں کے اندر دیکھنے میں آنے لگا۔

ایسے ہی افراد رسول اللہﷺ کی ہدایت وراہنمائی ونگرانی میں ''وحی'' سے اپنی ساخت اور تشکیل کروا کراور ''جہاد'' میں کندن ہوکراپنی دنیاپراثر انداز ہوئے تھے،تو دنیا نے ایک بھاری بھرکم تبدیلی کو اپنے سینے پر چلتا ہوامحسوس کیا تھا بلکہ دنیا تب ان کے آگے یوں بچھتی نظر آئی تھی جیسے ایک منہ زور گھوڑا جو بظاہر کسی کو پاس نہ آنے دیتا ہواوراس کا قابو آنا تو ناممکنات میں دِکھتا ہومگر دراصل وہ اسپِ خودسر ایک شہ سوار ہی کا متلاشی ہواور جوکہ بالآخر اس کومل گیا ہو!

☆☆☆☆☆

غرض اپنے زمانے کے جدید رجحانات modern trends پرنظراورعبور ہونا صرف یہی نہیں کہ دعوت کی ضرورت ہے، بلکہ'دعوت کی ضرورت' ہونے سے پہلے یہ دراصل اس 'مسلم شخصیت' کا ایک بنیادی وصف ہے جس کا وجود میں آنا بجائے خود مطلوب ہے۔'دعوت کی ضرورت' ہونا اور 'تحریک کی کامیابی' کے لئے 'مسلم نوجوانوں کی تیاری' میں اس جہت کا درکار ہونا بے شک سچ ہے، مگرایسا مان کر دراصل ہم اس جہت کی وقعت کم کردیں گے۔'اپنے دوراور زمانے کے ساتھ تفاعل' اس مسلم شخصیت کا جو اسلامی عقیدہ کی پیدا کردہ ہو،ایک بے حد لازمی اور بنیادی فنکشن ہےاوراس فنکشن کو معطل کرکے آپ بڑی

حد تک اس عقیدہ اور اس وحی کو ہی، اپنے دور کے ساتھ پورا اترنے کے معاملہ میں، معطل کر دیتے ہیں۔ اپنے نوجوانوں کی تربیت اور تیاری میں اگر ہم اس مسئلہ کو اس بنیاد پر نہیں لیتے اور اس کی اہمیت محسوس کرنے میں ہم واضح واضح اس حد تک نہیں جاتے تو ہمارے خیال میں آپ وہ چیز برآمد کر ہی نہیں پائیں گے جو ایک صحیح سالم 'مسلم ہستی' کو برآمد کرنے کے معاملہ میں آپ کا مقصود ہونا چاہیے۔

ان دو باتوں کا فرق ایسے ہی ہے جیسے آپ 'عقل' کو انسان کی 'ضرورت' قرار دیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ 'عقل' انسان کا ایک 'بنیادی وصف' ہے۔ بے شک ہر دو صورت میں آپ 'عقل' کی اہمیت بیان کریں گے، مگر اول الذکر بات عقل اور انسان ہر دو کے مرتبہ سے فروتر ہوگی!

☆☆☆☆☆

چنانچہ اس مسئلہ کی اہمیت گو بے شمار جہتوں سے ہے مگر اس کی سب سے اہم جہت شاید یہی بنتی ہے کہ وحی کے ایک بڑے حصے کا فہم وادراک بھی ہمارے یہاں اس وقت معطل ہو جاتا ہے جب ہم سماج کے عین بیچ میں رہنا چھوڑ دیتے ہیں اور تب مسئلہ، وحی کے حفظ و کتابت اور درس و تدریس تک محدود ہو جانے لگتا ہے۔

وحی دراصل اور واقعتاً اس لئے آئی ہے کہ انسان کے قلبی و فکری و عمرانی نشاط کو ایک بہترین جہت دے اور ان سبھی پہلوؤں سے انسان کو خدا کی طرف لے کر بڑھے اور تہذیب کے اس گھمسان میں اہل حق کا پلڑا بھاری کرائے، جبکہ زمین پر بنی نوع انسان کا یہ نشاط اس قدر متنوع رہتا ہے اور اس کے اندر ہر لمحہ نئے سے نئے ہزاروں عوامل یوں شامل ہوتے رہتے ہیں اور کروڑوں اربوں عقول ہر دور کے اندر اس میں یوں شریک رہتی ہیں کہ اس دنیا پر چڑھنے والا ہر نیا دن ایک نئی شان کے ساتھ آتا ہے اور امکانات کے نئے سے نئے نقشوں کے ساتھ۔ یہ سب نئے عوامل اور نئے امکانات اور نئی پیشرفتیں ایسی چیز ہیں کہ ہم اگر ان سے برابر معاملہ کر رہے ہوں تو وحی کے وہ

بہت سے جوانب ہم پر ساتھ ساتھ منکشف ہوتے رہیں گے جو بصورت دیگر شاید ہم پر روپوش ہی رہیں۔

اس لحاظ سے اس وحی کا یہ وصف کہ یہ ہر دور کے ساتھ کمال کی مطابقت رکھنے والی ہے اور گویا یہ ہے ہی اپنے اِسی دور کے لئے...... وحی کا یہ خوبصورت وصف بھی ہم اسی صورت میں عملاً دیکھ سکیں گے اور دنیا کو دکھا سکیں گے جب ہم اپنے دور کی عصری جہتوں کے ساتھ مسلسل ایک علاقہ رکھیں اور جب وقت کے ان ماڈرن رجحانات کا بھی مسلسل ہمارے ساتھ ایک معاملہ dealing ہو...... البتہ جب ہم یہاں کوئی 'فریق' ہی نہ رہیں تو اپنے دین کی حقیقت کا فہم و ادراک بھی تب ہم بس ایک حد تک ہی پاسکیں گے۔

☆☆☆☆☆

معاصر دنیا پر ایک نگاہِ شناسائی رکھے بغیر، ''دین'' کی صحیح حقیقت اپنے سب مضمرات سمیت، پس نہ تو ہم پر واضح ہوگی اور نہ دنیا پر۔ یہ بند ذہنی ہی ہماری راہ کی آج ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

یہاں کوئی چیز دوسری کا متبادل نہیں۔ 'دیکھنا' ہمیں اپنے ہی جہان کو ہے البتہ اس 'دیکھنے' کے لئے 'نظر' ہمیں آسمان سے پانا ہے۔ 'آسمان' اور 'زمین' کے مابین 'رابطہ واتصال' کا ذریعہ رہتی دنیا تک کے لئے اب ہم ہی ہیں!

آسمان سے ہمارے لئے صرف وہ چیز اتری ہے جو اس دنیا میں کسی کے پاس پائی ہی نہیں جاسکتی۔ پس یہ 'نظر' جو ہمیں ہمارا دین اور ہمارا عقیدہ پیدا کر کے دے سکتا ہے صرف دین ہی سے مل سکتی ہے، بشرطیکہ دین سے تربیت پانے کا عمل صحیح طور پر انجام پایا ہو۔ یہ نسخۂ کیمیا ہمیں اپنے شرعی مصادر کے سوا کہیں سے نہیں ملے گا۔ البتہ یہ 'نظر' اپنے دین سے لے کر وارد ہمیں اپنی اسی 'دنیا' میں ہونا ہے۔ آخرت کا مرحلہ اس کے بعد ہے! اس لحاظ سے زمانے پر ایک گہری نظر ہونا ہماری ضرورت رہے گی۔ یوں بھی قرآن سے ایک

گہری نظر پا کر ہمیں اپنے زمانے کو نہیں دیکھنا تو آخر کس چیز کو دیکھنا ہے اور یہ نہیں تو اس کا اور مصرف ہی کیا ہے؟!!

پس یہ وہ شخصیت ہے جس کو 'خبر' ہی نہیں 'نظر' میں بھی 'یکتا' ہونا ہے۔ 'زمانہ' اس پر تحقیق کرے مگر یہ زمانے کے بابت محض 'اندازے' لگائے اور وہ بھی پسماندہ قسم کے اور 'تاثرات' کو ہی حرفِ آخر جانے اور وہ بھی غیر علمی اور غیر واقعاتی، 'جذبات' ہی کو برانگیختہ کر لینے اور 'حالات' ہی کا شکوہ کرتے جانے میں ہر مسئلے کا حل جانے اور ہر تہذیبی بحران میں ایک سلبیت non-contributive attitude دکھانے اور لاتعلق رویہ indifferent approach ظاہر کرنے کے سوا کوئی تدبیر اپنے یہاں نہ پائے، یہ اس کے شایان نہیں۔

ایک 'عزلت' نما ذہنیت اور 'گوشہ نشین' طرزِ عمل سے اِس شخصیت کو ہرگز کچھ تعلق نہیں۔ زمانے میں رہتے ہوئے زمانے سے کٹا ہوا اور 'قدیم' طرز کی ہستی نظر آنا اور یوں اپنے زمانے کے ساتھ تعامل dealing اور اپنے گردوپیش کے ساتھ تفاعل interaction کرنے میں کوتاہ ثابت ہونا...... یہ اِس کی ایک نہایت اصیل خاصیت کے ساتھ ہی ایک جذری نوعیت کا تعارض ہے۔

☆☆☆☆☆

اس 'عزلت' سے مراد جو کہ یہاں 'مذہبی' سیکٹر کی بابت معاشرے کا ایک مقبولِ عام تاثر ہے...... یہ نہیں کہ یہ حجروں اور خانقاہوں کے اندر بیٹھی ہوئی ایک شخصیت ہے، جو کہ باہر آنے کے لئے ہی تیار نہیں! مسئلہ صرف اتنا ہوتا تو شاید پریشانی کی اتنی بڑی بات نہ تھی......تب ہمیں صرف یہ کرنا ہوتا کہ ہم اس کو قائل کرنے پر زور لگاتے اور کسی نہ کسی طرح کھینچ کر اس کو 'معاشرے' میں لے آتے......!

مسئلہ کی پیچیدگی یہ ہے کہ یوں تو 'مذہبی شخصیت' اس وقت معاشرے کے اندر ہر جگہ دیکھنے میں آ رہی ہے۔ تجارت وکاروبار سے لے کر ہر سکیل کی ملازمت تک،

یونیورسٹیوں میں اچھے مناصب سے لے کر بیوروکریسی کی اعلیٰ کرسیوں تک، اور سیاست کے ایوانوں سے لے کر ٹی وی اور میڈیا چینلوں تک، 'مذہبی شخصیت' کو آپ ہر جگہ دیکھ لیں گے حتیٰ کہ اس کے ایک مخصوص روایتی انداز سے اس کو ہر جگہ پہچان لینے میں کوئی دقت تک نہ پائیں گے۔ مگر ___ الا ما شاء اللہ ___ وہ تخلیقی اپروچ جو دین سے معاشرے کے اندر اترنے کیلئے اِس کو ملتی ہے یا ملنی چاہیے کم ہی کہیں نظر آتی ہے۔ شخصیت کی وہ انفرادیت جو 'دین' اور 'معاشرے' کے 'اتصال' کے حوالے سے اِس کی ہستی سے بھرپور نشر ہونی چاہیے، ایک عام شخص، خاص طور پر ایک پڑھا لکھا اور تہذیبی وسماجی رجحانات پر نظر رکھنے والا شخص، اس کے اندر مفقود پاتا ہے۔ زیادہ تر، یہ کچھ لگے بندھے اور سکہ بند رجحانات کی حامل شخصیت ہوتی ہے اور خاص اپنی ہی دنیا میں گم، جو ''معاشرے'' میں صرف 'کاروبار' یا 'ملازمت' یا 'سیاست' کرنے کے لئے آتی ہے......!

چند 'مذہبی' امتیازات کو چھوڑ کر، جن میں کچھ باتیں یقیناً مستحسن بھی ہیں (۱)...... 'مذہب' کے دائرہ سے باہر، یہ 'مذہبی' شخصیت بھی عام طور پر انہی لکیروں کے پیچھے چلنے والی ہوتی ہے جو 'نہ معلوم' ان معاشروں کے لئے 'کون' کھینچ دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان میں اپنی مرضی سے ترمیم کرتا ہے، اور جن پر ناک کی سیدھ چلنا یہاں پائے جانے والے ہر شخص پر لازم ہے!

یونیورسٹیوں اور کالجوں کی طالبعلم دنیا کو دیکھیں، جو کہ جوش اور ولولوں سے پر دنیا ہوتی ہے، جہاں انسانی صلاحیتوں اور منفرد رویوں کے جوہر کِھل کِھل کر اپنا ظہور کرانے کو بے چین دیکھے جاتے ہیں، اور جہاں 'زندگی' پھوٹ پھوٹ کر باہر آ رہی ہوتی ہے، آپ

---

(۱) مثلاً یہ کہ 'مذہبی شخصیت' رشوت نہیں لیتی۔ بدعنوانی نہیں کرتی اور اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ عام طور پر نہیں کرتی۔ اور اگر کہیں معاملہ اس کے برخلاف دیکھنے میں آئے تو یہ عام معمول سے بڑھ کر شرم کی بات ہو، جسے نہ لوگ آسانی سے قبول کریں اور نہ مذہبی حلقوں میں یہ بات ہضم ہو، جو کہ نہایت مستحسن ہے۔

ایک نگاہ دوڑائیے اور جس جگہ زندگی کا دھارا آپ کو تھمتا ہوا محسوس ہو، وہاں مخصوص امتیازی نشانات کے ساتھ 'مذہبی' دنیا سے آپ کا واسطہ پڑے گا...... الا ما شاء اللہ!

پس یہ 'عزلت' کا جو لفظ ہم نے بولا وہ دراصل اس معنیٰ میں ہے۔

غرض یہ شخصیت جو اس وقت معاشرے میں 'دین' کی پہچان بنی ہوئی ہے حد درجہ ایک روایتی اور غیر فعال و غیر تخلیقی اور سرد و قانع شخصیت ہے 'مذہب' کے معاملہ میں بھی اور 'دنیا' کے معاملہ میں بھی (جبکہ ''دین'' ان ہر دو کا مجموعہ ہے)، جبکہ ہمیں ضرورت ہے کہ ہر دو میدان میں اس کی ایک اصیل ساخت کرائی جائے جس سے یہ ہر دو میدان میں منفرد رویے اور تخلیقی رجحانات صادر کر سکے اور یوں تہذیبی معنوں میں عملاً ان معاشروں کی زمام ہاتھ میں لے سکے۔ اس وقت کی اصطلاح میں جسے 'مذہب' کہا جاتا ہے، اس میں بھی یہ دین کے اصل حقائق سے جنم پائی ہوئی شخصیت ہو (ملاحظہ فرمائیے کتاب کے شروع کے ابواب) اور 'دنیوی' شعبے میں بھی یہ کوئی بے فاعلیت passive اور تابع و مقلد follower شخصیت نہ ہو۔

البتہ جس 'مذہبی' شخصیت سے فی الوقت آپ کو واسطہ ہے یہ چوبیس گھنٹے اسی معاشرے میں رہنے کے باوجود اپنے اس دور میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ آپ سے آپ یہ ہوتا کہ وہ ''دین'' جس کی یہ نمائندہ سمجھی جاتی ہے، خود وہ بھی 'پرانی طرز' old fashioned قسم کی ایک چیز نظر آتا۔ پس طبعی بات تھی کہ تعداد میں خاصا زیادہ ہونے کے باوجود معاشرے پر یہ ایک سرسری سی تاثیر رکھنے والی ہی ایک شخصیت ہوتی نہ کہ معاشرے پر اثر انداز ہونے کے لئے کسی خاص مؤثر ایجنڈے کے تحت 'پیش قدمی' پر یقین رکھنے اور جدید معاشرے کو ''دین'' کے حوالے سے بہت کچھ دینے پر قدرت رکھنے والی اور ایک خاص ڈائنامک دینی و سماجی صلاحیت سے لیس شخصیت، جو ان تمام جہتوں کا کچھ نہ کچھ ادراک رکھتی ہو جو آج کے اِن معاشروں کو اسلام کی حقیقت پر لایا جانے کے لئے نظر میں ہونا ناگزیر ہیں۔

یقیناً بہت اچھی اچھی مثالیں بھی دیکھنے کو یہاں مل جاتی ہیں اور خیر کو ناپید جاننا تو ہرگز ہمارا اسلوب نہیں۔ مگر آپ اتفاق کریں گے ایک عمومی حالت اس وقت یہی ہے۔ یہ بحران یہاں کے سبھی 'فرقوں' کو برابر لاحق ہے۔ 'مکاتبِ فکر' کا فرق کم از کم اِس پہلو سے غیر متعلقہ irrelevant ہو جاتا ہے۔ 'شخصیت کا تاثر' جو معاشرے کا ایک عام انسان 'مذہبی شخصیات' کی بابت حتیٰ کہ آدمی کے 'مذہبی' ہونے کی بابت رکھتا ہے سبھی 'فرقوں' کی بابت ایک سا ہے اور کوئی مذہبی ٹولہ اس سے مستثنیٰ نہیں...... ہاں سوائے کچھ جدت پسندوں کے جو البتہ آج دین کی اصل بنیادوں کو ہی کھود کھود کر کھوکھلی کرنے میں لگے ہیں۔

یہاں پہنچتے ہیں تو معاملے کی یہ پیچیدگی دوچند ہو جاتی ہے۔ یعنی آپ کی وابستگی کسی نہ کسی معنیٰ میں اپنے قدیم ورثہ سے ہو تو آپ 'پرانی طرز کی شخصیت' ہوں، اور اگر 'اپنے دور میں رہتے' معلوم دیتے ہوں تو دین کی ٹھیٹھ بنیادوں ہی سے برگشتہ و بیزار ہوں۔ البتہ یہ کہ ایک طرف آپ دین کی نہایت ٹھیٹھ بنیادوں سے پیوستہ ہوں اور دوسری جانب اپنے دور اور زمانے سے پوری طرح وابستہ ہوں اور اپنے سماج پر اثر انداز ہونے کے لئے درکار ایک نظر رکھتے ہوں اور جدید رویوں سے نہ صرف واقف بلکہ ان کو رخ دینے کی اہلیت سے بھی کچھ حصہ پا رکھا ہو، تو یہ بہر حال ایک نادر تصویر ہو اور بڑی مشکل سے ہی کبھی دیکھنے کو ملے۔

اور پھر یہ جس کو ہم نے 'دین کی ٹھیٹھ بنیادوں سے پیوستہ ہونا' کہا ہے، اس میں بھی سمجھئے ابھی بہت چھوٹ دے کر ہم نے ایک بات کی ہے، ورنہ ''سلف کی بنیادوں'' سے پیوستگی ___ 'مذہبی' معنوں میں بھی ___ آپ کو کہاں ملتی ہے؟[1] اور اگر 'ٹھیٹھ بنیادوں' سے مراد سلف کی بنیادیں نہیں تو پھر ہمیں ان میں کیا دلچسپی؟؟؟!!!

(۱) جیسا کہ پچھلی فصل میں ہم کچھ بات کر آئے ہیں، زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہماری کتاب 'آپ کے فہمِ دین کا مصدر کیا ہے؟'

یہاں پہنچتے ہیں تو معاملے کی یہ پیچیدگی دو چند بھی نہیں رہ جاتی بلکہ سہ چند ہو جاتی ہے......! یعنی نہ پیچھے جانے میں یہ ''سلف'' تک پہنچیں، بلکہ درمیان میں ہی کہیں گم ہو جائیں اور بلکہ تو پچھلی چند صدیوں میں ہی کہیں اٹک کر رہ جائیں، اور نہ آگے آنے میں یہ ''اپنے دور'' تک پہنچیں، بلکہ اس حوالے سے بھی پرانے دور میں ہی کہیں غائب پائے جائیں......آخر ہم ان کو ڈھونڈیں کہاں!؟؟؟

☆☆☆☆☆

پس جس تربیتی عمل سے اب ہم اپنے ان نوجوانوں کو گزارنے کی خواہش اور پروگرام رکھتے ہیں اس میں فکر اور شخصیت کی یہ جہت بھی خاص طور پر توجہ پا کر رہے گی...... کہ اس کا ناپید ہونا واقعتاً اس وقت کا ایک بڑا بحران ہے۔

شاید یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اسلام کی یہ مطلوبہ شخصیت ہر پہلو سے اپنا ایک جداگانہ تعارف کرائے اور شاید اسے خاصا خیال رکھنا پڑے گا کہ یہ یہاں پہلے سے پائی جانے والی کئی ایک 'مذہبی' تصویروں پر قیاس نہ ہوتی رہے...... اس 'جداگانہ' تعارف کے لئے شریعت اور اسلامی ولاء و براء کی حدود میں رہتے ہوئے خواہ اِسے جو بھی انتظامات عمل میں لانا پڑیں۔

البتہ اصل محنت اِس کو اپنے اندرون میں وہ تصویر بنانے پر کرنا پڑے گی، جو اگر بن جاتی ہے تو اس کے خوبصورت عکس بیرون میں لازماً اور آپ سے آپ نظر آئیں گے۔

☆☆☆☆☆

یہاں تک جو بات ہوئی، وہ اپنے 'مذہبی' دنیا کے ایک عمومی بحران کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہوئی اور کوئی خاص طبقہ الگ سے اس کا مقصود نہیں تھا۔ اب یہاں چند باتیں ہم خاص طور پر اپنے اس پس منظر میں کہنا چاہیں گے، جس کے ہاں اس وقت دین کے فہم و تحقیق اور عمل و تطبیق کی ایک خاص روح دیکھنے میں آتی ہے۔ عقیدہ کے کچھ نہایت اہم

مطالب اس وقت اپنے اسی طبقہ کے ہاں پزیرائی پا رہے ہیں اور رفتہ رفتہ ایک پختہ تر تحریکی عمل کے آثار بھی الحمد للہ یہیں پر واضح ہو رہے ہیں۔ دین کی حقیقت کو از سرِ نو ان معاشروں میں لے کر آنے کی ایک خاص تڑپ اور لگن سب سے بڑھ کر یہیں پر دیکھنے میں آ رہی ہے۔

ہمارا یہ طبقہ جو ''تحقیقِ توحید'' پر اپنی خاص توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے اور وحیِ خالص کی طرف رجوع کی سنجیدہ کوششیں بھی اسی کے ہاں سب سے بڑھ کر ہو رہی ہیں، اور اس لحاظ سے یہ ہمارا بے حد قیمتی سرمایہ ہے...... ہمارا یہ طبقہ خاص طور پر یہ حق رکھتا ہے کہ جہاں یہ عقیدہ وشریعت کو اپنی محنت اور جدوجہد کا عنوان بنانے پر کام کر رہا ہے وہاں یہ اِس عمل کی سماجی وعصری جہتوں سے بھی آگاہ ہو، تاکہ عمل کی ایک کامل اور وسیع تر تصویر ان کے سامنے آئے۔

ہماری اِس گفتگو کا مقصد یہ نہیں کہ ہمارے دین کے یہ داعی طبقے سوشل سائنٹسٹ بنیں! اور نہ خود ہم کوئی سوشل سائنٹسٹ ہیں! مقصد صرف یہ ہے کہ یہ معاملے کی اس جہت سے واقف ضرور ہوں۔ ایسا ہو جائے تو خود بخود ایسے علماء پر ان کا اعتماد بڑھنے لگے گا جو اِس میدان کے شہسوار ہوں اور جو اِن کو اس میدان میں لے کر آگے بڑھیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ ان کے ہاں وہ پختگی بھی بڑھے گی جس سے کام لے کر یہ دین کے مختلف شعبوں میں اپنے علمی مراجع کا ایک بہتر تعین کرنے لگیں، نہ یہ کہ 'فتویٰ' کے لئے ہر ہر معاملے میں کچھ محدود سے مصادر سے آگے بڑھ ہی نہ پائیں۔

'عقیدہ' اور 'شریعت' کی ان عصری جہتوں کے ناکافی ادراک کے باعث ہی اس وقت یہ ہو رہا ہے کہ 'حاکمیت' اور 'نفاذِ شریعت' ایسے کچھ موضوعات افراط وتفریط کی نذر ہونے لگے ہیں۔ دین کا کوئی سنجیدہ مسئلہ یا عقیدہ کا کوئی نہایت اہم باب جس وقت افراط وتفریط کا شکار ہونے لگے اور بحثیں دونوں جانب 'انتہاؤں' کی طرف شدت کے ساتھ

بڑھنے لگیں، خاص طور پر اس وقت اگر منہجِ وسط واضح کرنے والے عالم طبقے بھی کافی تعداد میں ایک ایسے ماحول کے اندر نہ پائے جا رہے ہوں......تو یہ 'پیش گوئی' کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ آئندہ سالوں میں یہاں کچھ نہایت خوفناک خلطِ مبحث سامنے آنے والے ہیں اور طرفین کے مابین سر پھٹول کچھ ایسی پیچیدہ صورتیں دھار لینے والی ہے کہ معاملے کا سرا طرفین سے روپوش ہو۔

اسلامی عقیدہ میں اب تک جدلیات کی جو تاریخ دیکھنے میں آئی ہے، اور جس میں دو انتہاؤں کے بیچ کھینچا تانی لوگوں کو بڑے بڑے بحرانوں تک پہنچا دیتی رہی ہے......وہ اِس خطرے سے، جس کی جانب ہم بڑھ رہے ہیں، خبردار کرنے کے لئے کافی ہے۔

خاص یہ موضوع کسی اور موقعہ پر آئے گا۔ فی الوقت دعوتِ عقیدہ کی جو جہت واضح کرنا یہاں ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ کہ عقیدہ اور شریعت ہر دو، بڑی دیر سے یہاں معاشرے کو راہنمائی دینے کے منصب سے بے دخل کر رکھے گئے ہیں۔ ان کو معاشرے میں لے کر آنا اور اس کے لئے زمین تیار کرنا بے شمار جہتوں پر مشتمل ہے۔ پس بجائے اس کے کہ اس پر معاملہ ایک قبل از وقت محاذ آرائی کی جانب بڑھے (گو آخر تو یہ ہونا ہے) اور پہلے سے پائی جانے والی پیچیدگیوں کو کچھ اور بڑھا جائے، جو کہ جاہلیت کیلئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوگی [1] ......عقیدہ وشریعت کو معاشرے میں لے کر آنے کے ان تقاضوں پر توجہ مرکوز کر دی جائے جو جاہلیت کا فکری اقتدار ہی ختم کرا دے۔ یقین کیجئے اِس کے بھی بیشمار مواقع ہیں۔

☆☆☆☆☆

(۱) اس موضوع پر قدرے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد قطب کی کتاب کا اردو استفادہ 'دعوت کا منہج کیا ہو'، خصوصاً اس کی فصل 'معاصر تحریکوں میں عجلت پسندی کے آجانے کے اسباب اور عواقب'

'منہجِ سلَف' کے حوالے سے بعض مفاہیم کی تصحیح ہوجانا بھی خاص طور پر ضروری ہے......

نصوصِ شریعت کو اپنی نہایت اصل حالت میں لوگوں کے لئے دستیاب رکھنا، ان میں ہر دور کے اندر کی جاتی رہنے والی ملاوٹیں نکال باہر کرنا، اور کھرا کھوٹا خوب واضح کر دینا، پھر ان کے مفہومات میں جو تاویلات شامل ہوتی رہیں اور جو کہ آج بھی ہو رہی ہیں ان کا ازالہ کرنا اور صرف اور صرف ان کے درست وسلف سے ماخوذ معانی کا ہی اثبات کرنا......امت کے اندر یہ جس طبقے کا امتیاز رہا ہے وہ حدیث اور سنت کے حامل ائمہ رہے ہیں۔ یہی وہ طائفۂ منصورہ ہے جس کو اللہ نے اس امت کے زندہ و پائندہ رہنے کا سبب اور ذریعہ بنا کر رکھا اور آج تک ہے۔

امت کے ان آخری ادوار میں جا کر البتہ اب کچھ ایسا تاثر بننے لگا ہے گویا اس طائفۂ حقہ کا امتیاز بس یہ ہے کہ یہ ائمۂ حق ''نصوص'' کے الفاظ یا معانی کے لئے علمی مراجع ہی بنے رہے تھے۔ پس آپ دیکھتے ہیں کہ 'منہجِ سلف' کے حوالے سے یہی چیز آج ایک طبقے کی توجہ پانے لگی ہے اور یہ تاثر بننے لگا ہے کہ ان تمام تر صدیوں میں ائمۂ سنت و حدیث کا گویا بس یہی اصل کردار رہا ہے! اور یہ کہ سَلَفیت کی اصل روح آج کے دور میں بھی کچھ ہے تو بس یہی کہ نصوص کی ایک اچھی چھان پھٹک کر کے اپنے دور کو دے دی جائے!

رہا وہ جہاد جو یہ ائمۂ دین ان معاشروں کو حقیقتِ اسلام پر لانے اور رکھنے کے لئے کرتے رہے، اور جس میں وہ باطل کے خلاف ہر ہر سطح پر برسرِ عمل رہے، اور پھر جس خوبصورتی اور دور اندیشی سے وہ اپنے دور کے فکری و سماجی رجحانات پر حاوی رہے اور اپنے زمانے پر وحی کی بنیاد پر نہایت دور رس پہلوؤں سے اثر انداز ہوتے رہے......تو یہ سب کچھ 'منہجِ سلف' کے حوالے سے بیان ہونا نہ صرف موقوف ہو گیا ہے بلکہ عجیب بھی لگنے لگا ہے، اور بلکہ کچھ طبقوں کے ہاں تو شاید یہ ''منہجِ سلف'' پر ایک 'بہتان' بھی جانا جائے!

پھر چونکہ نصوصِ وحی کی جانب رجوع آپ کو یا تو خاص دورِ وحی میں ہی لے جاتا ہے اور یا پھر اس سے متصل ان ادوار میں جب ان نصوص کی تفسیر اور تدوین پر ائمۂ دین کے عظیم الشان کام سامنے آئے، اور اس پہلو سے واقعتاً ہماری اور ہر کسی کی ضرورت ہے کہ ذہنی اور شعوری طور پر آدمی پلٹ پلٹ کر دورِ وحی کے ہی چکر لگائے اور یا پھر دورِ وحی سے متصل ان ادوار کے جب ان علومِ وحی کی تفسیر و تدوین ہوئی، جبکہ یہی وہ ادوار ہیں جن کو قرونِ سَلَف بھی کہا جاتا ہے۔ اور بلاشبہہ ہم اسی بات کے داعی ہیں کہ آدمی اپنے دور میں رہتے ہوئے بھی شعوری طور پر دورِ سَلَف ہی میں رہے اور وہیں سے ایک معنی میں اپنی 'پیدائش' کرائے...... اور ظاہر ہے اپنی 'جائے پیدائش' کے ساتھ ایک آخری درجے کی وابستگی کس کے ہاں نہیں پائی جائے گی؟!!...... اور اس معنیٰ میں ظاہر ہے کہ مسلم ذہن نہایت 'قدیم' اور 'ٹھیٹ' ٹکسالی ساخت ہی کا حامل ہوگا اور 'پرانے دور' سے ہی اپنا کل شغف اور غرض رکھے گا اور محدثاتِ امور سے برسرِ جنگ رہے گا اور اس پہلو سے امت کے اندر جدت پسند رجحانات کے خلاف سب سے بڑا محاذ کھڑا کر رکھے گا...... یہ سب کی سب باتیں عین حق ہیں اور ہر قسم کی بحث سے بالاتر۔ خود ہمارے تحریر و بیان کے اندر بھی یہ بات بلاشبہہ ایک صدائے بازگشت کے طور پر سنی جائے گی، جو کہ ہمارے لئے ایک بے حد بڑا اعزاز ہے......

البتہ یہ کہ اس پہلو پر زور دینے سے یہ تاثر بن جائے کہ 'سَلَفیت' کا مطلب ہی ایک ایسی 'قدیم' طرز کی شخصیت ہونا ہے جس کے لئے 'ماڈرن' ہونا اور ایک 'عصری' انداز کا شخص نظر آنا اور اپنے زمانے کے ساتھ ہم رنگ و ہم آہنگ دکھائی دینا 'گمراہی' کا ہم معنی ہو، اور اپنے دور کے فکری رویوں اور سماجی رجحانات کے ساتھ خوب خوب پورا اترنا اس کے لئے ایک اچھنبا ہو...... اور اس کے دور کے ان لوگوں کو جو معاشرتی گھمسان کی گہرائی ماپ سکتے ہوں یہ محسوس ہونا کہ یہ شخصیت ان سے بہت 'دور' اور بہت 'جدا' نہیں بلکہ انہی میں سے یا انہی کی طرح کی ایک شخصیت ہے، اس کے لئے ایک نہایت انہونی بات ہو!...... تو

"سَلَفیت" پر ___ اس معنی میں ___ 'قدیم طرز' کا گمان ہونا البتہ بالکل ایک اور بات ہے اور نہایت قابلِ اصلاح۔

اِس چیز کو آج کے اِس دور خصوصا اپنے اِس ماحول میں پھیل جانے والی بڑی غلط فہمیوں میں سے ایک کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔

اس اندازِ فکر کے تقویت پکڑ جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سلف کا یہ منہج، وقت کے معاشرتی دھاروں کو اپنے ہاتھ میں لینے اور زندگی کے سوتوں پر اثر انداز ہونے کے اس سماجی عمل میں کبھی حصہ ہی نہ لے بلکہ ایسی سوچ بھی کبھی نہ سوچ پائے اور نہ ہی اس 'کوچے' کا کبھی رخ کرے جہاں سے عصری رجحانات کی تشکیل عمل میں لائی جاتی ہے اور جن کی پھونک سے آج کے یہ معاشرے چلائے جاتے ہیں۔

اس اندازِ فکر کے ساتھ دراصل ایک اور اندازِ فکر آ شامل ہوتا ہے اور تب اس فریق کی الجھن حد سے بڑھ جاتی ہے...... اور وہ یہ کہ لوگ جیسے جیسے اللہ توفیق دے گا ہماری دعوت کو قبول کرتے رہیں گے تا آنکہ وہ اتنے ہو جائیں کہ زندگی کے سبھی شعبوں پر بلکہ تو حکومت پر ہمارا اقتدار ہو جائے اور سب معاملاتِ زندگی ہم سے پوچھ کر یا ہمارے ہی زیر انتظام چلنے لگیں اور تب ہی کہیں جا کر شریعت اور حدیث وفقہ کے وہ سب ابواب کھلیں گے جو کتابوں میں فی الوقت بند پڑے ہیں اور ایک غیر معین عرصہ تک بند ہی رہیں گے اور زیادہ سے زیادہ تدریس کے عمل میں ہی سامنے آئیں گے!

یہ اندازِ فکر دراصل کچھ واضح واضح سماجی حقائق سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ معاشرے جس طرح تبدیل ہوتے ہیں، وہ حقائق اس اندازِ فکر کے لئے بالکل اجنبی ہیں۔ اس غیر عملی طرز فکر اور اس سطحیت کے باعث نہ تو ابھی اس وقت آپ اس پوزیشن میں آ سکیں گے کہ آپ اِس وقت کے معاشرے پر اثر انداز ہوں اور نہ اُس وقت جب کسی معجزہ کے نتیجے میں معاشرے آپ سے پوچھ کر چلنے لگیں گے!

لوگ اِس وقت ایک غیر اسلامی نظام میں رہنے کی قیمت ہزار ہا انداز سے دے رہے ہیں اور وہ لوگ جو آج اس صورتحال میں بھی شریعت ہی کا پابند رہنا چاہتے ہیں وہ تو اس نظام میں رہنے کی حد سے بڑھ کر قیمت دیتے ہیں۔ بے شمار راستے وہ زندگی میں آگے بڑھنے کے معاملہ میں اپنے اوپر بند پاتے ہیں۔ حاملینِ دین اور وارثانِ رسل سے ان کی توقع ہوتی ہے کہ وہ ان کو یہاں راستے بنا کر دیں اور ان کے لئے ایسے لائحہ عمل تجویز کریں بلکہ خود اس عمل میں آگے لگیں جس سے صالحین کا گروہ دنیا کا سب سے پسماندہ اور دنیا سے سب سے زیادہ کٹا ہوا اور دنیا کا سب سے بے اثر گروہ بن کر نہ رہے۔ مگر ان کو دینے کے لئے ہمارے پاس کچھ ہوتا ہے تو وہ 'فتویٰ' ہے جس کا دے دیا جانا بے حد آسان ہے اور ایسے بیشتر سوالوں اور الجھنوں کے جواب میں 'حرام' کا لفظ بار بار بولنے پر ہمارا کیا لگتا ہے...... البتہ 'فتویٰ' لینے والے، معاشرے میں رہتے ہوئے کیا کیا مشکلات اپنے سامنے پاتے ہیں، وہ جانیں اور ان کا کام! کیا 'راہنمائی' اسی کو کہیں گے؟؟؟

حضرات! اپنے دینی حلقوں کے یہاں ایک ڈائنامک سماجی اپروچ پیدا کرائی جانا ایک باقاعدہ کام ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مربیوں کے ہاں ایک خاص سوچ اور اندازِ فکر پایا جائے۔ دین کو بنیاد بنا کر معاشرے کو راہنمائی دینا اور ہر مرحلہ کیلئے باقاعدہ ایک حل اور ایک پلان رکھنا، یہ ایک باقاعدہ منہج ہے۔ اس کے لئے جس انداز کی محنت درکار ہوتی ہے اور محنت سے پہلے ذہن کے رخ پانے کے لئے جن فکری خطوط کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ایک خاص سماجی پراسیس سے گزر کر ہی آپ کو حاصل ہوسکتا ہے اور اپنے نوجوانوں کو لازماً ہمیں اس سے گزارنا ہوگا۔ اپنے دور میں بسنے کیلئے، دین کے مروجہ علوم پاس ہونے کے علاوہ آپ پر یہ واضح ہونا بھی ضروری ہے کہ یہ جدید معاشرے جن میں ہم رہتے ہیں اور جن میں رہنے والوں کو ہم 'فتویٰ' دیتے ہیں کس نقشے پر اور کیونکر قائم ہیں اور یہاں کارفرما عوامل کیا کیا ہیں اور اس میں ہم اپنے لئے راستے کس کس طرح بنا سکتے ہیں اور کون کونسے راستے آگے چل کر بند ہونے لگتے ہیں۔

بہر حال، سماجی منصوبے جو اِس وقت ہمارے پاس اپنے لوگوں کو دیے جانا ضروری ہیں اور اس کے لئے کچھ خاص خطوط پر محنت ہونا ہی پہلے ضروری ہے، ایک الگ موضوع ہے۔ ہم اِس پر یہاں گفتگو نہیں کر پائیں گے اور اگر اللہ نے چاہا تو اپنے سلسلۂ مضامین 'توحید.. تحریک تا معاشرہ' کے تیسرے حصہ میں اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ یہاں مقصد صرف اس مغالطہ پر بات کرنا تھا جس سے 'منہجِ سَلَف' کو ہر ہر پہلو سے 'قدامت' کا ہم معنیٰ باور کر لیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے یہ واضح ہو جانا ضروری ہے کہ 'منہجِ سَلَف' پر چلنا جہاں ایک پہلو سے بے حد 'قدیم' ہونا ہے وہاں ایک دوسرے پہلو سے بے حد 'جدید' ہونا بھی ہے۔ اس منہج کی سب کی سب 'قدامت' دراصل ہے ہی اس کی 'جدت' کے اندر جھلکنے کے لئے۔ اس 'پرانی' اور اصیل حقیقت کو اگر اپنے زمانے کی راہ سے نہیں جھلکنا تو پھر اس کی جانب 'رجوع' ہی کس کام کا!!؟ پھر تو واقعتاً یہ 'حفظ' و 'تدوین' ہی کی کوئی چیز رہ جائے گی نہ کہ ایک ایسی حقیقت جس کا ہر دور کے اندر اسی دور کے رنگ و آہنگ میں ایک کامیاب اعادہ ہو اور دیکھنے والے دیکھیں کہ ایک ہی اصیل حقیقت ہر دور اور ہر زمانے کو ہی کس خوبصورتی کے ساتھ اپنے بے ساختہ بیان کا ذریعہ بنا سکتی ہے، کہ یہ اصیل حقیقت اُس خدائے علیم وخبیر کی الہام کردہ ہے جس کا کلام زمان اور مکان کی قیود سے بالا ہے!

☆☆☆☆☆

اپنے دین کے اصیل حقائق کو ایک عصری اسلوب اور زبان میں پیش کرنا بھی اسی منہج میں آتا ہے، تاکہ لوگوں کو "دین" صرف پرانے دور کی ایک بابرکت یادگار نہیں بلکہ اپنے عہد کی ایک جیتی جاگتی حقیقت بھی معلوم ہو۔ وہ بہت سے بند راستے جو معاشرے میں ہمارے آگے بڑھنے میں حائل ہیں، اپنے کھلنے کے لئے شاید یہیں سے ہی ایک بنیاد پا لیں گے......

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَن يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَن يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (ابراهيم: ٤)

''اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان دے کر، تا کہ عین واضح کر دے وہ ان کے لئے (اپنا مطالبہ) پھر اللہ گمراہ کر دے جس کو چاہے اور راہِ راست پر لے آئے جس کو چاہے، اور وہ تو ہے ہی غلبے والا، حکمت والا''

اس سے پہلے ہم اپنی ایک تحریر میں کہہ چکے ہیں[۱]:

'دینِ رسول' اور 'لسانِ قوم' یکجا ہوں تو ہی معاشرے میں حق اور باطل کی وہ کشمکش کھڑی ہو سکتی ہے جو جاہلیت کو جڑوں سے ہلا دے اور جو کہ معاشرے میں ایک جاندار تبدیلی لے آنے کی راہ کا پہلا سنگ میل ہے۔

نہ خدا کی طرف سے اتری ہوئی صاف شفاف وحی کا کوئی متبادل ہے خواہ کتنے ہی سقراط یہاں سر جوڑ کر کیوں نہ بیٹھ لیں، اور نہ اس کو زمانے کی زبان دیئے اور زمانے کو اس کی سیدھ میں لائے بغیر کوئی چارہ ہے چاہے وہ اپنے اندر کتنا ہی بڑا حق ہو... تا کہ 'بیان' کا حق ادا ہو جائے اور لوگ خدا کے ان تقاضوں کو جو وہ اپنے نبیوں کے ذریعے ان سے ان کے اپنے دور اور زمانے میں کرتا ہے صاف صاف پہچان سکیں۔ اس کے نتیجے میں جس کو پیاسا مرنا ہے وہ پانی پاس نہ ہونے کا کم از کم گلہ نہ کر پائے تا کہ آسمان اس پر روئے اور نہ زمین اس پر ماتم کرے اور جسے زندگی پانی ہے وہ اس آب حیات کو پی کر جیئے۔

فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَن يَّشَاءُ وَيَهْدِىْ مَن يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[۲]

چنانچہ ایک طرف ہمیں دینی سیکٹر میں اس معیار سے آگے گزرنا ہے جو یہاں معاشرے کو عمومی سطح پر ایک دینی راہنمائی فراہم کرنے کے معاملہ میں اپنایا جاتا ہے۔ یہاں دین کا علم و فہم اس کے مستند مراجع اور مستند رجال سے لینا ہے نہ کہ نیم علماء سے۔ جبکہ آثار میں دورِ فتن کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ علم (دینی راہنمائی) کیلئے لوگ اکابر کو چھوڑ کر

---

(۱) ایقاظ جنوری ۲۰۰۶ء کا اداریہ بہ عنوان: ''عقیدہ سے فکر اور ثقافت تک''، کچھ توسیع دینے کے بعد اس مضمون کو کتابی شکل میں سامنے لایا جانا ابھی باقی ہے۔

(۲) آیت کا حوالہ و مفہوم اوپر گزر چکا۔

اصاغر سے رجوع کرنے لگیں گے[۱] ...یعنی علم کے اصل مستند مراجع چھوڑ بیٹھیں گے۔

دوسری طرف ہمیں غیر دینی سیکٹر کے اندر فکری وثقافتی وسماجی رجحانات کے فہم واستیعاب کے معاملہ میں اس معیار سے آگے گزرنا ہے جو ایک سطحیت، جزوی نظر، عدم گیرائی، روایت پرست ذہنیت اور تابع (additional) ہو رہنے کی قدرتی ذہنی استعداد سے عبارت ہے۔

'سلفیت' یہ ہے کہ اسلام کے ازلی حقائق کو جو کہ وحی کے ابدی الفاظ میں کندہ ہیں امت کی پہلی تین نسلوں کے طریقے کا پابند رہتے ہوئے خود اپنے دور میں کھڑا ہو کر اور اپنے زمانے میں رہتے اور اپنے وقت کے تمام تر دستیاب علوم سے مدد لیتے ہوئے اور اپنے تمام تر انسانی قویٰ سے کام لیتے ہوئے پہلے سمجھا جائے اور پھر اپنے زمانے کے انسان کو سامنے رکھ کر ان کی ایک مؤثر تعبیر کی جائے اور پھر اسی کو لے کر عملاً چلتے ہوئے اپنے ماحول اور عصر

---

(۱) دیکھئے **المعجم الاوسط للطبرانی**: روایت نمبر ۸۱۴۰، علاوہ ازیں **جامع بیان العلم** مؤلفہ ابن عبدالبر روایت نمبر ۵۶۹، وروایت نمبر ۵۷۰:

ان من أشراط الساعة ثلاثا: احداهن أن یلتمس العلم عند الأصاغر "کہ قیامت کی تین نشانیاں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ علم کو چھوٹوں کے ہاں سے لیا جائے گا"

ابن عبدالبر ان آثار کی شرح میں وہیں پر سلف کے کچھ اقوال بھی نقل کرتے ہیں:

عبداللہ بن المبارکؒ سے دریافت کیا گیا: یہ 'چھوٹے' کون ہوئے؟ فرمایا: وہ جو اپنی رائے سے بات کریں۔ رہ گیا یہ کہ کوئی 'چھوٹا' کسی بڑے سے روایت کرے تو وہ ہرگز 'چھوٹا' نہیں۔

ابوعبید نے اس اثر کی تفسیر میں عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کیا کہ ابن المبارک اس کا یہ مفہوم لیتے تھے کہ 'چھوٹوں' سے یہاں مراد ہیں اہل بدعت، نہ یہ کہ اس کا تعلق عمر سے ہو۔

ابوعبید نے کہا: 'چھوٹوں' سے مراد جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ دین کا علم اصحاب رسول اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں سے لیا جائے جو اصحابؓ رسول اللہﷺ کے بعد پائے گئے اور ان (بعد والوں کی رائے کو) اصحاب رسول اللہﷺ کی رائے اور ان کے علم پر مقدم کیا جائے۔ یہ ہے علم کو 'چھوٹوں' کے ہاں تلاش کرنا۔

(دیکھئے جامع بیان العلم، مؤلفہ ابن عبدالبر: جلد ۱ صفحہ ۳۱۲)

کے ساتھ ایک بھرپور تفاعل کیا جائے اور اسی کے نقشے پر اپنے گردوپیش اور اپنی دنیا کی ایک نئی تصویر بنانے کی کوشش کی جائے۔

پس سلفیت جہاں ایک طرف خالصتاً وحی کی اتباع ہے اور قرون اولیٰ کے فہم و دستور کا التزام، وہاں یہ واقعتاً ایک عصری عمل ہے اور ایک زوردار فکری اور ثقافتی اپروچ a dynamic intellectual and civilizational aproach۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ دو چیزیں نہیں ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ یہ حقیقت ان دونوں پہلوؤں سے بیک وقت پائی جائے تو 'سلفیت' بنتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس کی اول الذکر جہت ہی آج 'سلفیت' کے عنوان سے مشہور ہو پائی ہے جبکہ اس کی ثانی الذکر جہت قریب قریب ابتداع کی ہم معنیٰ ہو ٹھہری ہے۔ ایک ہی حقیقت کو دو لخت کر کے 'سنت' اور 'بدعت' میں بانٹ دینے کی اس سے شدید تر مثال ہرگز کہیں نہ دیکھی گئی ہوگی۔

'حق' انسانی 'فہم' کے بغیر کس فائدہ کا اور 'فہم' 'حق' کا نہ ہو تو وہ کس مرض کی دوا؟!

حق آسمان سے نازل ہوتا ہے اور فہم و ادراک کی استعداد انسان کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان اپنے دور کے وسط میں رہتا ہو۔ چنانچہ مذمت کی بات اگر کوئی ہے تو وہ یہ کہ 'فکر' انسان کی اپنی اپج ہو۔ فکر کا کام ہے کہ وہ وحی کا ملتزم و معتکف رہے اور اس 'اعتکاف' میں وہ سب حدود اور قیود اور آداب ملحوظ رہیں جو سلفِ اول کے ہاں مقرر ٹھہرے رہے۔ ہاں اگر خالص وحی کا یہ اعتکاف اور التزام نہ ہو تو یہ گمراہی و گم گشتگی کا ہی پیش خیمہ ہے۔

اب چونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ زمانہ کی معاصرت کرنے والی آج کی بیشتر تعبیری کوششیں عقیدہ کے خالص اور مستند حقائق پر اپنی بنیاد نہ اٹھا سکیں اور سلفِ اول کے منہج کی پابندی کا تو شاید یہاں خیال تک نہ کیا گیا ہو (اس کو 'تقلید' سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا) تو یہ لازمی بات تھی کہ اسلام کے حوالے سے آج کی یہ عصری تعبیریں خالص توحید سے اور خصوصاً دور سلف کے ٹھیٹ مزاج سے کسی نہ کسی درجہ میں ہٹی ہوئی نظر آتیں۔ مگر اس سے، بجائے

اس کے کہ یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا کہ اسلام کی ایک عصری تعبیر خالص وحی کی بنیاد پر اور وحی کی تلقی reception کے ایک ٹکسالی اسلوب کا التزام کرتے ہوئے ہی ہونی چاہیے، اندازِ فکر یہ اختیار کیا گیا کہ اصولِ اسلام کو اپنے دور کے اسلوب میں پیش کرنا اور معاصر ذہن کو اس کے اپنے فکری وسماجی پس منظر میں اسلام کی حقیقت سے بہرہ ور کرنا ہی ایک غیر ضروری کام ہے اور ایک فالتو پراجیکٹ اور بلکہ تو ایک گمراہ کن جدت پسندی!

نتیجہ یہ کہ پوری علمی دیانت اور ایک تحقیقی اسلوب میں نصوص کو من وعن نقل کر دینے اور تصحیح وتضعیف کی گتھیاں ممکنہ حد تک سلجھا دینے اور نصوص کی بابت ازالۂ شوائب کر دینے پر اکتفا کا رجحان ہی آج کے دور میں 'سلفیت' کی شناخت بن گیا۔ سلفیت کی یہ ایک سچی اور حقیقی جہت ہے مگر ہے البتہ یہ سلفیت کی محض ایک ہی جہت جس کی رو سے آدمی کو وحی اور وحی سے متصل دور میں بہت پیچھے چلے جانا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی دوسری جہت یعنی اپنے دور کے فکری اور ثقافتی گھمسان کے عین بیچ میں رہ کر دکھانا اور یوں اپنے دور کے فکری و ثقافتی حلقوں میں اپنا منفرد واصیل اسلامی وجود منوانا، اس منہج کا دوسرا رخ تھا جو کہ بڑی حد تک ہمارے اس دور میں روپوش ہی رہا۔

غلطی سے ہم نے اس کو دین کا تقاضا سمجھا مگر درحقیقت اس دین کا اپنا ہی تقاضا اس کے برعکس تھا۔ انسانی دنیا میں اس 'خالص دین' کا 'انسانی روپ' میں نمودار ہونا اس کا اپنا ہی تقاضا ہے۔ لتکونوا شهداء على الناس [١] جس کا ذریعہ انسانی فکر ہے اور انسانی کردار اور انسانی سماج اور انسانی ثقافت۔

کسی چیز کا ایک ہی رخ ہو وہ سایہ تو ہوسکتا ہے مگر کوئی حقیقی چیز نہیں۔ خالص دین تو ہمیشہ کیلئے ہی محفوظ اور دنیا کی رسائی کیلئے موجود ہے۔ ہمیں اس کے تحفظ کا نسل در نسل ایک ذریعہ بنا دیا گیا تو یہ ہمارے لئے یقیناً فخر کی بات ہے۔ مگر عملاً اپنے دور میں ہمارا کوئی

---

(١) البقرۃ:١٤٣ ''تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو''

کردار تھا تو وہ یہ کہ ہم اس کا انسانی پرتو نظر آتے اور اس کی عصری زبان کی صورت میں سنے جاتے۔ دنیا ہمیں ان دونوں جہتوں سے دیکھتی تو ہم دنیا کا ایک محسوس وملموس جیتا جاگتا واقعہ ہوتے۔ تب دنیا ہماری وساطت 'مشاہدۂ حق' کرتی اور ہم 'حق' اور 'دنیا' کے مابین عملاً 'نقطہء اتصال' ہوتے نہ کہ محض 'حق کے محافظ'۔

توازن اور تکامل اس منہج کا مرکزی نقطہ ہے۔ 'قدیم' ہمیں محض ایک ہی جہت سے نظر آتا تھا نہ کہ 'دونوں' جہتوں سے!

اس منہج کی دونوں جہتوں کا ایک ہو جانا اس دور کا ایک حقیقی بحران تھا۔ اس سے نکل آنا بعید نہیں اور بہت سے بحرانات کا حل ہو۔

☆☆☆☆☆

مسلم ہستی اور یہ چھوٹی چھوٹی اکائیاں

مسلم شخصیت

زمان اور مکان کی جہتیں

مسلم شخصیت کا اسلام کے ایک تاریخی تسلسل پر مشتمل ہونا اور مسلم امت سے ایک سماجی وابستگی رکھنا...... ہماری مطلوبہ شخصیت کا یہ بھی ایک اہم وصف ہوگا۔

نہ صرف اپنے فکری اور نظریاتی وجود کیلئے بلکہ اجتماعی وجود کیلئے بھی......قرون اولی میں واپس جانا اور اپنی 'ہستی' کو دور سلف سے برآمد کرانا۔ یہ دین اسلام کا فہم درست رکھنے کیلئے بھی ہے اور اپنا ایک تاریخی قد وقامت بنانے کیلئے بھی......

اس مسئلہ کے نظریاتی اور واقعاتی پہلو پر پیچھے ہم بات کر آئے ہیں۔ اس کے اجتماعی جوانب پر کچھ بات ہونا ابھی باقی ہے......

زمانی جہت:

مسلم شخصیت ایک بہت ہی اصیل شخصیت ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اور پیچھے بہت دور تک جاتی ہیں۔ 'ہدایت' کی تاریخ جتنی پرانی ہے اس شخصیت کی عمر بھی اتنی ہے۔ امتِ اسلام بذات خود اس کرۂ ارض پر خدا کی خالص بندگی کا ایک تاریخی تسلسل ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تو اس شخصیت نے کرۂ ارض پر ایک بالکل ہی نیا اور ایک زوردار روپ دھارا ہے۔ مسلم شخصیت اپنی درست ترتیب سے اور اپنے پورے اوصاف کے ساتھ وجود پا لے تو پھر اس شخصیت کا حامل فرد اپنی عمر کا حساب

سالوں میں نہیں بلکہ صدیوں میں کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا فرد ہے جس کی عمر کم از کم چودہ سو سال ہے اور جس کو ابھی صدیوں زندہ رہنا ہے۔ یہ اپنے آپ کو ایک ایسی ملت میں گم کرتا ہے جو نہ صرف یہ کہ مجسم ہدایت ہے بلکہ صدیوں پر محیط ہے۔ اس کیلئے 'شخصیت' بنانا یہ ہے کہ یہ عظیم الشان ملت اب اس 'فرد' میں ڈھل جائے۔ 'تربیت' کی یہ ایک زبردست جہت ہے۔ شعور اور وجدان کی اس کیفیت کو انسان کے اندر سے برآمد کرنا تربیتی عمل کا ایک اہم حصہ ہوگا۔

مکانی جہت:

اس زمانی جہت کے ساتھ ساتھ...... پھر اس شخصیت کی مکانی جہت ہے یعنی اپنے دور کے اندر امتِ اسلام سے اس شخصیت کی ایک بھرپور سماجی وابستگی۔ شخصیت کی یہ جہت بھی ایک فرد کو بہت بڑا کر دیتی ہے۔ ''امت'' سے وابستگی...... گویا یہ ایک ہی فرد ایک ارب نفوس پر مشتمل ہے! ایک طرف یہ صدیوں سے یہاں بس رہا ہے اور ابھی صدیوں اس کو یہاں بسنا ہے۔ دوسری طرف یہ زمین کے ایک بڑے حصے کا مالک ہے اور پوری دھرتی پر نظر جمائے ہوئے ہے۔ یہ ایک ایسا فرد ہے جو کئی براعظموں میں بیک وقت رہتا ہے اور زمین کے باقی حصوں میں اپنے وجود کو پھیلانے کی مسلسل فکر کرتا ہے!

پس یہ زمانی اور مکانی جہتیں بھی __ تربیتی عمل کے دوران __ شعور کے اندر راسخ کر دی جانا بے حد ضروری ہے۔

امتِ اسلام سے ایک تاریخی اور سماجی وابستگی اگر ایک تربیت کا نتیجہ ہو تو وہ انسان کی شخصیت میں یہی تبدیلی لے کر آتی ہے۔ اندازہ کر لیجئے 'شخصیت' کتنی بڑی ہو جاتی ہے۔ کہاں ایک نفس پر مشتمل ایک فرد اور کہاں ایک ارب سے زائد نفوس پر مشتمل ایک فرد! کہاں چند سال سے اور چند سال کیلئے پایا جانے والا ایک شخص اور کہاں صدیوں سے اور صدیوں کیلئے رہنے والا ایک شخص! کہاں ایک ایسا شخص جو بس حالات کے سہارے جی رہا ہو اور

درخت سے ٹوٹنے والے کسی پتے کی طرح ہوا کے دوش پر اڑتا پھر رہا ہو اور کہاں ایک ایسا شخص جو ایک صدا بہار درخت کی صورت زمین میں جڑیں گاڑ کر کھڑا ہو اور شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہوں (كشجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها في السماء تؤتي اكلها كل حين بإذن ربها)[۱] اور جو کہ حالات کے سہارے نہیں بلکہ استحقاق (merit) کی بنیاد پر یہاں ابتدائے انسانیت سے لے کر ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کیلئے ہے اور خدا پر اعتماد کے سہارے کھڑا ہے!

ایک انسان کا اپنی ذات میں بڑا ہونا ہی حقیقت میں بڑا ہونا ہے۔ اسلامی تربیت انسان کے احساس اور وجدان کو 'امت' میں گم کر کے اس میں سے ایک اتنا ہی بڑا انسان نکال لاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمان اور مکان کی وسعتوں میں دور دور تک پھیلا ہوا پاتا ہے۔ شخصیت کا یہ حجم ہو اور پھر اس میں حق کی طاقت بول رہی ہو! یہ ایک بہت ہی منفرد ہستی ہو جاتی ہے۔ ایسی ہستی کے حامل بہت تھوڑے افراد بھی بہت ہوتے ہیں!

تاریخِ اسلام اس شخصیت کی عمر ہے اور عالم اسلام اس کا گھر...... ہر دو کو یہ مسلسل توسیع دینے کی فکر میں رہتا ہے!

اپنے دین سے یہ شخصیت پا کر پھر ایک فرد تاریخ کے ہر اہم واقعے کو گویا اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک واقعہ سمجھتا ہے۔ ایک عام فرد کو بھی اپنی زندگی کے بہت سے واقعات یاد نہیں رہتے۔ بہت سے واقعات اس کے حافظے سے محو ہو جاتے ہیں۔ کچھ واقعات نیم یاد ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تاریخیں اور سال بھول جاتے ہیں۔ کچھ واقعات اور زندگی کے کچھ اہم موڑ اس کے ذہن میں البتہ اس طرح تازہ ہوتے ہیں گویا کل کا واقعہ ہے۔ تاریخِ اسلام کی بابت اس شخصیت کے حامل فرد کا بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔ اس کو اپنی 'عمر' ___ یعنی تاریخ

(۱) سورۃ ابراہیم: ۲۴، ۲۵ ''جیسے ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دیتا ہے''

اسلام ___ کے اہم واقعات اپنی ذاتی سوانح کی طرح از بر اور ہر وقت اس کے ذہن میں تازہ رہتے ہیں۔ دوسری طرف اس کے اپنے دور میں عالم اسلام کے ساتھ بیتنے والا ہر اہم واقعہ گویا اسی کے ساتھ بیت رہا ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ہر اہم موقعہ پر اور عالمِ اسلام میں ہر اہم جگہ پر گویا یہ اپنے آپ کو موجود پاتا ہے اور اس موقعہ یا اس مقام کے حسب حال اپنی ایک ذہنی کیفیت کو محسوس کرتا ہے۔ نہ اس کی خوشیاں پھر کوئی عام سی خوشیاں ہوتی ہیں اور نہ عام سے سانحے اس کیلئے سانحے کہلاتے ہیں۔ فخر کرنے کی بات ہو تو اس کیلئے یہ عظیم الشان بنیادیں اپنے پاس رکھتا ہے۔ دُکھ اور افسوس کا معاملہ ہو تو اس کی بھی بڑی بڑی وجوہات کا اس کو سامنا ہوتا ہے۔ نہ اس کی خوشی ایک عام انسان کی خوشی ہے اور نہ اس کا صبر و حوصلہ کوئی عام سا حوصلہ۔ نہ اس کی امیدیں اور آرزوئیں چھوٹی اور نہ اس کے اندیشے کسی 'چھوٹے آدمی' کے اندیشے۔

"كونوا مع الصادقين "[1] کا یہ ایک براہ راست نفسیاتی اور ایمانی اور وجدانی اثر ہوتا ہے کہ آدمی اہل ایمان کے ساتھ زمان اور مکان کی حدود سے نکل کر شریک ہو جاتا ہے۔ یوں وہ اپنی اس ایمانی اور نفسیاتی تربیت کے بقدر اہل ایمان کے ساتھ ہر جگہ پایا جاتا ہے!

لقد تركتم بالمدينة رجالاً ماسرتم من مسير ولا أنفقتم من نفقة، ولا قطعتم من وادٍ إلا وهم معكم فيه، قالوا: يا رسول الله وكيف يكونون معنا وهم بالمدينة؟ قال: جلسهم العذر (مسند احمد عن انس رضی اللہ عنہ)

"پیچھے مدینہ میں کچھ ایسے مرد صفت لوگ باقی ہیں کہ تم نے (راہ خدا میں) جو فاصلہ بھی طے کیا اور جو کچھ بھی خرچ کیا اور (سعی جہاد میں) جو وادی بھی پار کی وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے۔ صحابہ نے عرض کی: وہ ہمارے ساتھ کیسے جبکہ وہ مدینہ میں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ان کو کوئی عذر مانع رہا"۔

---

(۱) سورۃ التوبہ: ۱۱۹ "سچے لوگوں کے ساتھ ہو رہو"

یہی وجہ ہے کہ اس شخصیت کا حامل فرد تاریخ میں اور اپنے زمانے کے اندر اسلام کے حوالے سے اہم سمجھے جانے والے ہر موقعے اور ہر جگہ پر، جسمانی طور پر نہ بھی سہی نفسیاتی اور وجدانی طور پر، اپنے آپ کو شریک پاتا ہے۔ ماضی اور حال کے اچھے اور برے واقعات گویا اسی کے ساتھ گزرے ہیں۔ تاریخ میں قرون اولیٰ کے ابواب سے یہ ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کے ساتھ گزرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پڑھتے ہوئے تو گویا یہ آپؐ ہی کے آس پاس کہیں پایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت میں گویا یہ ساتھ ہوتا ہے اور اس کے دل کی نبض تیز ہو جاتی ہے۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے والوں میں گویا یہ کھڑا ہوتا ہے۔ غزوات میں اس کا پریشانی سے برا حال ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کیلئے یہ شدید طور پر فکر مند ہو جاتا ہے۔ صحابہ وتابعین اور اتباع تابعین کے دور سے یہ ایک خاص وجدانی اور نفسیاتی کیفیت کے ساتھ گزرتا ہے اور اس کی 'یادداشت' میں یہ زمانہ گویا گھومتا ہی رہتا ہے۔ بعد کے ادوار سے یہ ذہن کی اور کیفیات سے گزرتا ہے۔ ملی جلی کیفیات اور محسوسات کے ساتھ یہ ہر زمانے سے اپنی کچھ نہ کچھ 'یادیں' وابستہ رکھتا ہے۔

دورِ اول کی اسلامی فتوحات گویا یہ اپنا ہی دیکھا ہوا ایک واقعہ سمجھتا ہے۔ اندلس، ہند اور ترکستان قلمروِ اسلام میں آتے اس کو اپنے سامنے کا ایک واقعہ دکھائی دیتے ہیں۔ خالص اسلام کے عالم اسلام سے پسپائی کے عمل کو یہ اپنی صحت پہ گزرا ہوا ایک سانحہ دیکھتا ہے۔ اسلام کی جہاں جہاں اور جیسے جیسے کوئی ترقی ہوئی یہ اس کی یادداشتوں کے خوش گوار حصے کی طرح اس کے لاشعور کا حصہ بن جاتا ہے۔ مسلم سپین عیسائی وحشیوں کے پاس گیا گویا اس کا دل نکل گیا اور یہ اس کو واپس لینے کیلئے دن گنتا ہے۔ بیت المقدس پہلی بار صلیبیوں کے ہاتھ اور دوسری بار صہیونیوں کے ہاتھ لگا تو یہ اس کیلئے ایک ذاتی نوعیت کا واقعہ بن جاتا ہے۔ بغداد پہلی بار تاتاریوں اور دوسری بار امریکیوں کے پاؤں تلے روندا گیا تو یہ محسوس کرتا ہے کہ بغداد میں دوبار یہ خود روندا گیا ہے۔ مسلم ہند کا کفر کے قبضے میں جانا مسلسل اس کو لگتا

ہے کہ اس کی کوئی خاص چیز ہاتھ سے چلی گئی ہے۔ عالم اسلام پر کفر کی حکمرانی اس کو اپنے گھر پر قبضہ لگتا ہے۔ بہت سوں کے ساتھ اس کو بہت سے حساب بے باک کرنے اور بہت سے قرضے چکانے ہیں۔ خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے واقعات کوئی کیسے بھول سکتا ہے!؟

یہ چھوٹی چھوٹی اکائیاں......!

اسلام سے ایک تاریخی اور سماجی وابستگی اتنا ہی بڑا فرد پیدا کرتی ہے۔ اتنا بڑا انسان جو پوری زمین پر چل سکتا ہو اور صدیوں جی سکتا ہو...... اور صدیوں کے حساب رکھ سکتا ہو!!!

رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید میں سراج منیر کہا گیا ہے۔ سورج پوری زمین پہ روشنی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پوری زمین کیلئے نور ہیں۔ سورج کی روشنی جب اور جہاں نہیں پہنچتی رسول اللہ ﷺ کی رسالت تب اور وہاں کیلئے بھی ہے۔ آپؐ کے مشن پر ایمان رکھنے والے انسان کے ذہنی افق کو بھی اتنا ہی وسیع ہونا ہے جتنی کہ اس مشن کی پہنچ۔ یہ واقعتاً ایک عالمی شخصیت کا حامل فرد ہوتا ہے۔ یہ زمان اور مکان میں اپنے ایمان اور اپنے مشن کی بنیاد پر ایک وسعت پیدا کرنا جانتا ہے اور چھوٹی چھوٹی حدوں سے تو یہ حد درجہ جھنجھلاہٹ محسوس کرتا ہے۔

اس ایسی آفاقی شخصیت کو 'پاکستانی' بنانا یا اس کو 'سعودی' یا 'اماراتی' یا 'افغانی' یا 'بنگلہ دیشی' شخصیت کا چولہ پہنانا اس کی ایک بہت بڑی تضحیک ہوگی۔

قومی ریاست nation state، جیسا کہ سب جانتے ہیں، محض کوئی انتظامی بندوبست نہیں۔ یہ موجودہ دور میں 'انسان' کی تقسیم اور 'انسان' کی پہچان کا ایک باقاعدہ فلسفہ ہے۔ یہ محض کسی جگہ کا 'سکونتی' ہونا نہیں بلکہ یہ تشخص کی ایک باقاعدہ بنیاد ہے۔ اس تشخص کے ایک حصے کے طور پر 'مذہب' کو بھی تسلیم (recognize!!!) کیا جاتا ہے مگر 'دین' نہیں بلکہ 'مذہب' کے طور پر اور 'کل' نہیں بلکہ 'جزء' کے طور پر! یعنی ایک ایسی عظیم ہستی جو اس 'قومی ہستی' سے زمان اور مکان کے لحاظ سے بھی اور عقیدہ وحقانیت کے اعتبار سے بھی

ہزاروں لاکھوں گنا بڑی ہے وہ اس اپنے سے چھوٹی چیز میں سمائے اور اس کا بھی محض حصہ بن کر رہے...... محض حصہ!!!

تاہم اس موضوع پر تفصیل سے بات کرنے کا یہ مقام نہیں۔[۱]

ایک اتنی عریق deep-rooted شخصیت کی شان سے یہ فروتر ہوگا کہ اس کی پیدائش 'سن انیس سو کچھ' میں مانی جائے اور بیشتر موقعوں اور انٹرنیشنل فورموں پر یہ اپنی یہی پہنچان کراتی پھرے یا پھر اس کو آج کی اس پسِ استعمار دنیا post colonialist world کی 'آزاد قوموں' میں سے 'ایک قوم' منوالانے کے واقعہ کو بار بار حیرت، خوشی اور بے یقینی سے دیکھا جائے اور سند کے طور پر اس کو اقوام متحدہ کی اس اپاہج 'عالمی برادی' کی رکنیت دی جانا فخر کی بات ہو!

صدیوں پر حاوی اور براعظموں پر پھیلی اس خوددار موحد شخصیت کو 'پاکستانی' یا 'ترکی' یا 'سعودی' یا 'بنگلہ دیشی' یا 'کویتی' تشخص کا پابند کرنا ویسا ہی ہوگا جیسا شیر کو چڑیا گھر میں رکھا جانا جہاں اس کا شیر ہونا اس کیلئے فخر کی بات نہیں بلکہ عار بن جائے!

یہ مسلم شخصیت جب ایک علم اور تربیت کا نتیجہ بن کر ____ کسی بڑی سطح پر ____ نمودار ہوگی تو یہ اپنے ساتھ ایسا کوئی مذاق کئے جانے کی ویسے ہی اجازت نہیں دے گی...... بلکہ کسی کو اس کے ساتھ یہ مذاق کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوگی۔ خدا نے دنیا کے اندر اس کا بڑا رعب رکھا ہے!

یہی وجہ ہے کہ دُنیا کے بیشتر دریوزہ گر اس مسلم شخصیت کے کسی بڑی سطح پر نمودار ہو جانے سے ہی خائف ہیں کہ انکے خیال میں اس شخصیت کے میدان میں آجانے سے الفاظ اور القاب اور بیانات اور 'دفعات' اور بلوں، شقوں اور 'قراردادوں' سے کھیلنے کا دور جا تا رہے

---

(۱) اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے ایقاظ کا ایک گزشتہ خصوصی شمارہ بہ عنوان ''قومی ریاستیں یا دار الاسلام''۔ عنقریب یہ کتابی صورت میں بھی دستیاب ہوگا۔ ان شاء اللہ

گا۔ لوگ اس شخصیت سے حقائق پر اصرار کرنا سیکھ لیں گے۔ اس شخصیت کے ہاتھ میں اس وقت دُنیا کا کوئی ملک نہیں مگر دُنیا کے سب طاغوت اسی سے خائف ہیں۔ یہ ایک ایسی شخصیت ہے جو کوئی آدھی دُنیا کے حقوقِ ملکیت تو پہلے سے پاس رکھتی ہے اور باقی آدھی دُنیا کیلئے گلوبلائزیشن کے اس دور میں یہ وہ کچھ اپنے پاس رکھتی ہے کہ اس کو وہاں بھی شاید ہاتھوں ہاتھ ہی لیا جائے۔

یقین کیجئے یہ دُنیا ایک ہوتے ہوتے جہاں تک پہنچ گئی ہے، اور پچھلی دو تین صدیوں میں تو مغرب نے ہی اس امر میں اس کی بہت خدمت کی ہے، کہ اب جب یہ مسلم موحد شخصیت دوبارہ اٹھی اور اس کو ان شاء اللہ اٹھنا ہے، تو یہ دُنیا کا اور تاریخ کا ایک منفرد ترین واقعہ ہوگا۔ دُنیا شاید ہر جگہ محمد ﷺ کے پھریرے دیکھے گی۔

......بس ذرا صبر!

☆☆☆☆☆

یہ 'مسلم ہستی' یا یہ 'اسلامی شخصیت' جس قدر بڑی ہے اس کا کچھ اندازہ پیچھے ہم کر آئے ہیں۔ اس ہستی کو ہر مسلمان میں آنا ہے۔ اس شخصیت کو امت کے ہر فرد میں ڈھلنا ہے۔ اسلام کا مطلوب فرد اسی شخصیت کا حامل فرد ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اتنی بڑی شخصیت ___ جس کا کچھ حال پیچھے ہم جان آئے ہیں ___ ایک 'تنظیم' یا ایک 'انجمن' میں بھی سمانے والی چیز نہیں۔

تنظیموں یا انجمنوں کے وجود سے ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ یہ اسلام کے بعض فرائض کی اس دور میں عملی ادائیگی کی ایک اجتہادی صورت ہے جس کا پایا جانا یقیناً مستحسن ہے مگر یہ کہ 'تنظیم' کسی انسان کا تشخص اور پہچان بھی بنے، 'تنظیم' کسی انسان کی ذہنی اور وجدانی وابستگی کا نمایاں ترمحل بھی ہو، 'تنظیم' لاشعور میں کسی انسان کیلئے اس کی 'عمر' اور 'قامت' بھی ہو......تو یہ بہرحال درست نہ ہوگا۔ تنظیم کا ایک انسان کیلئے کچھ فرائضِ دین کی ادائیگی کا عملی ذریعہ ہونا اور محض ایک وسیلہ ہونا حرج کی بات نہیں بلکہ مستحسن، ہے کہ یہ

انسان کی ایک شرعی ضرورت کو پورا کرنا ہے...... مگر تنظیم ہی اس کی 'شخصیت' کا عنوان ہو جائے، یہ بہرحال ناقابل قبول ہے۔ ایک ایسی تنظیم جو واقعتاً کسی بلند مقصد کیلئے بنی ہے اس کی تو اپنی کوشش ہونی چاہیۓ کہ 'انسان' پر اس کی کم از کم چھاپ نظر آئے، کہ خدا نے 'انسان' کو ''احسن تقویم'' میں پیدا کیا ہے...... اور یہ کہ 'انسان' کی شخصیت کے اندر وہ خود زیادہ سے زیادہ ناقابل ذکر ہو جائے۔

ہم بوجوہ یہ ضروری سمجھتے ہیں ایک انسان کی شخصیت میں 'تنظیم' کو یا کچھ 'قائدین' یا کچھ 'بزرگوں' کو نہیں بولنا چاہیۓ۔ انسان کی شخصیت میں جس چیز کو بولنا ہے وہ کچھ بہت ہی برگزیدہ حقائق ہیں جن کا مصدر وحی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اور شخصیت۔ یا پھر اس شخصیت میں خود اس کے اپنے آپ کو بولنا ہے اور یہ بھی بہت ضروری ہے۔ یہ تو اس شخصیت کا فکری وشعوری پہلو ہے۔ اجتماعی پہلو سے اس شخصیت کی قامت 'امت' سے کم ہرگز ہرگز نہیں ہونی چاہیۓ۔

بعض تنظیموں کی بابت دیکھنے میں آیا ہے کہ ''انسانوں'' کو 'تنظیمی اثاثہ جات' ثابت کر رکھنے کا اتنا پکا بندوبست کرتی ہیں کہ آدمی کے سینے پر ہر دم اسی کا بیج نظر آئے۔ گاڑی پر نام پینٹ کرنے اور سینے پر بیج لٹکانے میں شاید ہی کبھی فرق کیا گیا ہو! ہر جگہ 'اپنا نشان'! پنسلوں کا پیوں سے لے کر انسانوں تک پر 'نام' کی مہر لگانے کا ایک عام رواج ہے۔ ہر چیز کی پہچان اب 'اسٹکر' بن گئی ہے!

بہت سی جگہوں پر انسانی فوٹو اسٹیٹس تیار کرنے کا کام ہوتا ہے۔ فر فر ایک سی عبارتیں، ایک سے میکانکی انداز، ایک سے بیان...... غرض متعدد طریقوں سے انسانی تنوع اور انسانی انفرادیت اور انسانی اصالت originality کو زیادہ سے زیادہ ختم کر دینے کی کوشش صاف ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ عام معاشرے میں رہتے ہوئے بھی، نہ کہ کسی خاص فوجی ضرورت کے پیش نظر، انسانوں کو کسی نہ کسی انداز میں یا کم از کم بھی علامتی حد تک، 'وردی' میں رکھنا مناسب تر خیال کیا جاتا ہے۔ یہ فرد پر اپنا زیادہ سے زیادہ حق جتانا

ہے۔ یہ فرد کو زیادہ سے زیادہ 'اپنی' چیز بنا رکھنا ہے جبکہ یہ امت کی چیز ہے، جو کہ بہت بڑی ہے، نہ کہ کسی کی شخصی یا گروہی ملکیت اور جبکہ اس پر صرف اللہ اور رسول کا حق ہے......'اللہ اور رسول' دو ایسے لفظ جو انسان کی شخصیت کے شایان شان ہو سکتے ہیں اور جن کا پٹہ گلے میں ڈالنے سے انسان کی شخصیت کم نہیں بلکہ بڑی ہوتی ہے بلکہ اسی سے انسان انسان بنتا ہے۔

غرض 'شخصیت' کو جکڑنے کے متعدد انتظامات یہاں عمل میں لائے جاتے ہیں اور غالباً اس کو 'شخصیت سازی' بھی سمجھا جاتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ زمان اور مکان کی چھوٹی چھوٹی اکائیوں کا پابند ہو جانا 'انسان' کا چھوٹا ہو جانا ہے۔ ہمارے دین نے انسان کو بڑا کرنے کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے۔ 'انسان' کے شایان شان جو شخصیت ہوسکتی ہے اس کو پیدا کرنے کا ہمارے دین میں پورا پورا انتظام ہے۔ خواہ وہ ان حقائق کے اعتبار سے ہو جو اس شخصیت میں بطور 'مواد' بھرے جائیں گے اور خواہ وہ زمان اور مکان کے وہ افق ہوں جنہیں اس شخصیت کو نگاہ میں رکھنا ہو گا۔ ہم سمجھتے ہیں اپنے دین کی اس خاصیت سے ہمیں بھرپور حظ اٹھانا چاہئے۔ یہ دین اپنے مطلوبہ حجم کی جس شخصیت کو پیدا کرے گا وہی اپنے دور پہ اثر انداز ہونے کی قدرت رکھے گی۔ ہم سمجھتے ہیں اپنے دین سے لے کر اتنا ہی بڑا انسان ہم اپنے دور کو فراہم کر سکتے ہیں۔ ہمارا دین بلاشبہ اس بات پر طاقت رکھتا ہے مگر 'طاقت' کی افزودگی بہرحال ایک انسانی عمل ہے۔

☆☆☆☆☆

’عقیدۃ‘ کا پیدا کردہ

مگر امت کی بہبود میں بھرپور کردار

امت سے سماجی وابستگی اس مسلم شخصیت کا ایک اہم وصف ہوگا۔اس خاص انداز پر تربیت ہوئی ہوتو پوری ’امت‘ گویا ایک ہی فرد کے وجود میں ڈھل جاتی ہے۔اپنے وجود کا ادراک کسے نہیں ہوتا۔اپنی صحت اور تندرستی کا خیال کسے نہیں ہوتا۔اپنی بقا کی فکر کون نہیں کرتا۔ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ کس میں نہیں ہوتا۔یہ دین پہلے اس انسان کو بڑا کرتا ہے اور اسے ’امت‘ کی سطح پر لے آتا ہے جس کو پوری زمین اپنے نیچے نظر آتی ہے...... پھر اس میں زندگی کی لہر دوڑاتا اور ترقی کا جذبہ بھرتا ہے۔اب جبکہ یہ ایک فرد نہیں رہا بلکہ یہ ایک امت میں ڈھل چکا ہے......اب اس کا اپنے وجود کا ادراک کرنا،اس کا اپنی صحت اور تندرستی کا خیال اور اپنی بقا کی فکر کرنا اور اس کے اندراب ترقی کا ایک جذبہ موجزن ہونا ایک ایسے فرد سے،جو محض اپنی ذات یا اپنے خاندان یا اپنے ملک یا اپنے گروہ کیلئے جیتا ہے،بے انتہا مختلف ہوجاتا ہے۔

یہ فرد جو پوری امت کو اپنا وجود سمجھتا ہے جب ’اصلاح‘ کیلئے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو گویا وہ اوروں کا نہیں اپنے ہی وجود کا تحفظ کرتا ہے۔مسلم معاشروں میں بدعات وانحرافات اور فسق وفجور کے خاتمہ کی جب یہ سعی کرتا ہے اور یہاں کی سماجی خرابیوں اور پسماندگی کے مادی ومعاشرتی اسباب کو یہ دور کرتا ہے تو گویا یہ اپنے ہی وجود سے کوئی کانٹا چنتا اور اپنی ہی راحت کا سامان کرتا ہے۔اس کا دعوت دینا،اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی

سرگرمیوں میں مصروف ہونا، اس کا باطل کی سرکوبی کرنا اور گمراہی کے آڑے آنا ایک ایسے شخص سے بہت مختلف ہوتا ہے جو 'امت' کو اپنی 'جماعت' میں لے آنے یا 'ملت' کو اپنے 'فرقے' میں فٹ کرنے کے مشن پر ہو یا جو اپنے مناظروں سے 'دوسروں' کو لاجواب کر دینے کی تاک میں ہو۔ اس کے لئے ''امت'' اس کے اپنے وجود کا نام ہے یہاں 'دوسرے' اس کیلئے پائے ہی نہیں جاتے۔ یہ تو اس کے اپنے وجود کا تحفظ ہے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا عمل۔ یہ اس کی اپنی ہی تندرستی کا انتظام ہے۔ کوئی کڑوی دوا دی جانا ناگزیر ہے تو اوروں سے پہلے اس کی کڑواہٹ کو یہ خود محسوس کرتا ہے۔

ایک غایت درجہ کی ہمدردی...... اپنائیت...... قربت...... ایثار...... اور وحدت ہے جو اس شخصیت کا حامل فرد پوری امت کے ساتھ محسوس کرتا ہے (الدین النصیحة قلنا: لمن؟ قال: للّٰہ ولکتابه ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم)[1] امت کے وجود کو تنزل اور انحطاط اور بربادی کے اسباب سے بچانا اس کے لئے اپنی جان بچانے کے مترادف ہے۔ یہاں تک کہ امت کا کوئی فرد، تمام تر اقامتِ حجت کر لی جانے کے بعد بھی، شرک یا کفر کے کسی فعل پر ہی مصر ہو اور علمی بنیادوں پر اس کی تکفیر ہونا ہی ناگزیر ہو...... تو یہ اس کیلئے ایسا ہی ہے گویا یہ اپنا باقی وجود سلامت رکھنے کیلئے اپنے ہی جسم کا کوئی عضو کاٹ کر پھینک رہا ہے۔

'عامۃ المسلمین' گویا اس کا اپنا بوجھ ہیں۔ ان کے بغیر وہ خود بھی کہیں کا نہیں۔ 'امت کا حصہ' ہونے اور سمجھے جانے کا یہ ایک لازمی تقاضا ہے۔ بس اپنے آپ کو یا اپنے گنے چنے اصحاب کو یا خاص اپنے 'ہم مسلکوں' کو ہی 'امت' جاننا بربادی کا شاخسانہ ہے۔ 'دوسرے

(۱) صحیح مسلم عن تمیم الداری: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے''، ہم نے عرض کی: کس کے لئے خیر خواہی؟ فرمایا: ''اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلم حکمرانوں کے لئے اور عامۃ المسلمین کے لئے''

جائیں جہاں جاتے ہیں‘ یا یہ کہ ’دوسرے تو برباد ہوئے کہ ہوئے‘...... عامۃ المسلمین کی بابت یہ اندازِ فکر بے انتہا مہلک ہے اور وہ فرد جو اپنے اجتماعی وجود کو اپنی امت سے مربوط جانتا ہے ہرگز اس رویے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

اذا قال الرجل: هلك الناس فهو أهلكهم (۱)

”جب آدمی کہے لوگ برباد ہوئے تو وہ خود سب سے بڑھ کر برباد ہوا“۔

اپنی علمی، فکری اور نظریاتی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے بھی آپ یہاں کے مسلم معاشروں کا سماجی اور شعوری طور پر حصہ بن کر رہ سکتے ہیں۔ لوگوں کی خوشیاں آپ کی خوشیاں اور لوگوں کے دکھ آپ کے دکھ۔ ’عقیدہ درست کرنے‘ کی یہ شرط نہیں کہ آدمی مردم بیزار بن کر رہے، لوگوں کے معاملات میں دلچسپی نہ لے اور روزمرہ سیاسی وسماجی و معاشی مسائل کے حل کے معاملے میں معاشرے کے اندر کسی کردار کے ادا کرنے کا روادار نہ ہو۔

یہاں کے بعض دینی طبقوں کو یہ یاد دلایا جاتا رہنا بے حد ضروری ہے کہ یہاں ان کے اردگرد میں ’کافر‘ نہیں بستے۔ یہاں دینداری کی ایک صنف ہے اور ’عقیدہ‘ سے تمسک کا ایک خاص دعویٰ رکھتی ہے، اس اندازِ فکر کے حامل لوگ آج کے مسلم معاشروں میں تقریباً تقریباً ویسے ہی رہتے ہیں جیسے ایک مسلمان سویڈن یا ڈنمارک میں رہے یا یہودیوں کے کسی محلے میں زندگی گزارے! بس اپنے کام سے کام رکھا، اپنے ’ہم مذہبوں‘ سے ہی کل سروکار جانا اور کبھی کبھار کسی ’دوسرے‘ کو بھی ’مسلمان‘ کرلیا! معاشرے کے ساتھ بس ’دنیاوی معاملات‘ میں ہی کوئی واسطہ رکھا تو رکھا، اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ گلی محلے یا عام جگہوں پر کسی ’دوسرے‘ کو سلام تو کیوں کریں گے اس کے سلام کا جواب بھی ’وعلیکم‘ سے دیں گے اور اس پر سوچ میں پڑے رہیں گے کہ کیا یہ اہل کتاب کے مرتبے کو بھی پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا!

---

(۱) صحیح مسلم عن ابی ہریرہ، کتاب البر والصلة والآداب

بہت زیادہ تعداد میں نہ سہی تھوڑے تھوڑے افراد پر مشتمل دینی طبقے اس ذہن کے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان حلقوں میں بھی فرد کا ایک خاص تشخص بنایا جاتا ہے۔ 'مسلم فرد' کا یہ بھی ایک تصور ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے بھی چند کلمات کہنا ضروری خیال کیا گیا۔

عام مسلمانوں کے مسائل کو اپنے مسائل جاننا...... خواہ وہ سماجی مسئلے ہوں یا اقتصادی اور معاشی...... خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں یا بین الاقوامی اور عالمی...... خواہ وہ مسلمانوں کے دین سے تعلق رکھتے ہوں یا مسلمانوں کی دنیا سے...... ان مسائل میں بھرپور دلچسپی لینا، ان کے حل سے اپنی آرزوئیں وابستہ رکھنا، ان کو اپنے تفکرات اور اندیشوں میں جگہ دینا، ان کے حل میں کم از کم بھی شعوری اور وجدانی طور پر شریک ہونا...... یوں مسلمانوں کے احوال سے باقاعدہ غرض رکھنا، ممکنہ حد تک ان کے کام آنا، ان کے دکھ بانٹنے اور ان سے مصائب و آلام کو دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا...... اور ان سب امور کو باقاعدہ عبادت کا حصہ جاننا اور اس پر خدا سے اجر کی امید رکھنا......

یہ سب ایک مسلم شخصیت کی ایک زبردست جہت ہے۔

المسلم أخو المسلم، لا يظلمه و لا يسلمه، و من كان في حاجة أخيه كان اللّٰه في حاجته، و من فرج عن مسلم كربة فرج اللّٰه عنه كربة من كربات يوم القيامة. و من ستر مسلماً ستره اللّٰه يوم القيامة (۱)

☆☆☆☆☆

(۱) صحیح بخاری عن عبداللہ بن عمرؓ: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر زیادتی کرتا ہے اور نہ وہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے مسلم بھائی کی حاجت پوری کرے، اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کو کسی مشکل گھڑی سے نکالے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مشکل گھڑیوں میں سے کسی گھڑی سے نکالے گا۔ اور جو کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ قیامت کے روز اس کا پردہ رکھے گا۔

رہی یہ بات کہ سب سے اہم مسئلہ مسلم معاشروں کو اسلام کی حقیقت پر لانا اور اسلام کا مفہوم سمجھانا ہے اور یہ کہ اسلام ان معاشروں میں بالفعل غربت اور اجنبیت کا شکار ہے بلکہ یہ غربت واجنبیت کی ایک اندوہناک صورت کو پہنچ گیا ہے اور یہ کہ اسلام کی اس غربتِ ثانیہ کو دور کرنا آج کا سب سے بڑا اجتماعی فرض ہے......اور یہ کہ اس تبدیلی کی بنیاد ایمان کے حقائق کو بننا ہے اور یہ کہ ان معاشروں کو، قرآنی بنیادوں پر، ایک نئے سرے سے تعمیر ہونا ہے اور یہ کہ اسلام کو زندگی کے منہج کے طور پر ایک طرح سے یہاں ازسرنو اپنایا جانا ہے...... جو کہ بالکل حق ہے اور ہماری دعوت ہے......

تو اس کا مطلب موجودہ مسلم معاشروں سے 'تنفر' نہیں۔ اس سے مقصود ان معاشروں سے برأت نہیں۔ یہ ان معاشروں کے ساتھ کوئی 'انتقامی رویہ' اپنا رکھنا نہیں۔ اس بات کا ان مسلم معاشروں کے ساتھ اخوت وبرادری اور پیار ومحبت رکھنے سے کوئی تعارض نہیں۔ یہ بات 'عامۃ المسلمین' سے تعلق خاطر رکھنے کے منافی نہیں...... اگر ہے تو یہ ایک بڑی خرابی کا نقطۂ آغاز ہے اور یہ آپ کی تیار کردہ شخصیت میں ایک بڑے انحراف اور اعوجاج کے پائے جانے پر منتج ہوگا۔

اس معاشرے کو اپنا گھر جاننا اور اس کو اپنے گھر کی طرح سنوارنا حتی کہ اس کی تعمیر نو بھی اس کو اپنا گھر جان کر کرنا...... اس کو اپنی اجتماعی امیدوں کا مرکز بنانا اور اس کے پھلنے پھولنے کیلئے دُعا گو رہنا اور اس کی ترقی وخوشحالی میں مقدور بھر شریک ہونا...... یہ ان معاشروں میں رہتے ہوئے ایک مسلمان کی شخصیت کا ایک اہم گوشہ ہوگا۔

معاشرے کی ترقی میں حصہ لینا اپنے دین کی رو سے باقاعدہ طور پر مطلوب ہے۔ اس میں ذرہ بھر شک نہیں۔ فکرمندی کی بات تب ہوگی جب آپ کی شخصیت کی پہچان ہی یہ ہونے لگے اور جب شخصیت کے وہ اہم تر جوانب، جن کی بابت ہم اس مضمون کے شروع میں، کچھ بات کر آئے ہیں، نسبتاً پس منظر میں جانے لگیں...... ہاں تب ضرور فکرمندی سے آدمی کے کان کھڑے ہو جانے چاہئیں اور اس پر پریشان ہونے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

مسلمانوں کے بعض سماجی یا سیاسی یا فوجی یا معاشی مسئلے ہی آپکی 'نمایاں تر پہچان' بننے لگیں اور دین کی اصل بنیادیں آپ کا موضوع بحث ہونے تک کی حسرت کرنے لگیں اور دین کے اسیاسیات ومبادی کبھی آپ کی زبان پر آئیں بھی تو اوپرے محسوس ہوا کریں...... یعنی حقیقتِ اسلام 'گاہے گاہے' ہی کبھی ذکر ہوتو ہو ورنہ جولانی طبع کیلئے موضوعات اور بڑے ہوں...... اصل خطرناک بات یہ ہے نہ کہ محض مسلمانوں کی کسی سماجی ضرورت کی انجام دہی۔

ہاں اگر اس مسلم شخصیت میں 'معاشرتی مسائل' ہی بولنے لگیں اور یہ مسلسل 'حالات' کا ہی رونا بن جائے، یہ شخصیت ہمیشہ 'حالات' کے ہی بکھیڑے لے کر بیٹھی نظر آئے...... جبکہ دین کے بنیادی حقائق اور فرائض پر محنت اس کی سرگرمِ تواصی بالحق کا بہت ہی ناقابل ذکر حصہ بن رہے، جیسا کہ افسوسناک حد تک بہت سی جماعتوں اور تحریکوں کا حال ہے...... تو تب معاملہ ضرور غور طلب ہے بلکہ بہت ہی زیادہ غور طلب ہے۔ عام طور پر ہماری گفتگو مسلم شخصیت کے اسی پہلو کو درست کرنے پر ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلم مسائل کو __ جب تک امت کی تربیت نہیں ہو جاتی! __ مکمل طور پر نظر انداز کر رکھا جائے!

ایک متوازن شخصیت ہماری سب سے پہلی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلامی حقیقت کا قیام

'ابتداء' سے نہیں بلکہ 'از سرنو'

اس مسلم شخصیت کو جب از سرنو منظر عام پر آنا ہے تو اس مرحلہ میں، جب تک کہ یہ پھر سے دنیا کا ایک معروف اور نمایاں ترین واقعہ نہیں بن جاتی، ایک اور چیلنج بھی درپیش ہوگا اور اس کو نظر میں کر لینا بھی ضروری ہے۔

اسلامی شخصیت کے حوالے سے جو چیلنج اس وقت ہمیں درپیش ہے وہ یہ کہ ہمیں ایک چیز کو ابتدا سے نہیں بلکہ از سرنو متعارف کرانا ہے۔ ایک چیز کو بالکل ابتدا سے متعارف کرانے کا کام رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو کرنا تھا اور وہ انہوں نے باحسن انداز انجام دے دیا۔ معاشرے کی سطح پر ایک بڑے انقطاع کے بعد ہمیں البتہ اس کو 'ابتدا سے' نہیں 'از سرنو' سامنے لے کر آنا ہے۔ ایک کام کو 'ابتداء سے' کرنے اور 'از سرنو' کرنے میں بہت بڑا فرق ہے...... اور یہ فرق ہرگز کسی وقت ہم سے روپوش نہیں ہونا چاہئے۔

اسلامی شخصیت کے حوالے سے ہمیں کوئی نئی تصویر نہیں بنانی بلکہ اسی پرانی تصویر کو نیا کرنا اور اسی کے نقوش کو گہرا کرنا ہے۔ یہ ایک تبدیلی لانا بھی ہے اور بیک وقت اسلام کے تاریخی تسلسل کا حصہ بن کر رہنا بھی۔

اور جب تاریخی تسلسل کی بات ہوگی اور ایک پہلے سے موجود چیز کو از سرنو لائے جانے کی بات ہوگی تو پھر یہ عمل دو پہلوؤں سے ہماری توجہ لے گا:

- ہمیں اسلام کے نقش اول پر اسلامی شخصیت کی ایک مطلوب واقعاتی صورت کو ازسرِنو تشکیل بھی دینا ہے
- اور ایک وہ غیر مطلوب صورت جو مختلف تاریخی عوامل نے اس شخصیت کی بنا رکھی ہے، اس کو مٹانا بھی ہے۔

اسلام کا آغاز تھا تو اسلام کی کوئی ایسی صورت نہ تھی جس کو مٹایا جائے۔ بس ایک کھلی کھلی جاہلیت تھی جس کو مٹایا گیا۔ اسلام کی البتہ ایک ہی صورت تھی جس کو متعارف کرایا جانا تھا۔ البتہ اب معاملہ مختلف ہے۔ اسلام کی ایک وہ صورت ہے جو اسلام نہیں مگر اسلام سمجھی جاتی ہے اور ایک اسلام کی وہ سچی صورت ہے جو بڑی حد تک نادر ہوگئی ہے اور اس کو زور لگا کر اور محنت کر کے عام کیا جانا ہے۔

اسلام کی وہ صورت جو 'اسلام نہیں' آگے کئی قسموں میں منقسم ہے۔ تہتر کا لفظ چاہے لغوی معنی میں بولا گیا ہو یا محاورتاً، ہمیں بتایا گیا ہے کہ 'اسلام' کے نام پر 'غیر اسلام' کی بے شمار اشکال ہوں گی۔ اسلام کی اس صورت کو جو 'اسلام نہیں' مٹانا یا تصحیح کرنا اب ایک اضافی چیلنج ہوگا اور اس لحاظ سے ایک بے انتہا نازک کام بھی...... کہ لوگ نادانی کے باعث اس کو اسلام ہی کا نقصان کرنے پر محمول کر بیٹھیں گے!

'مسلم شخصیت' کی تاریخ کا سب سے مشکل اور کٹھن مرحلہ تو وہی تھا جب اس کو ابتدا سے وجود میں آنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کام قرآن کے نزول کی صورت اور نبی ﷺ کے ہاتھوں انجام پایا۔ ایک چیز کو جس کا کہیں تصور تک نہ ہو جیتی جاگتی حقیقت بنا دینا سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے بس میں نہ تھا اور وہ اللہ کی مدد سے آپؐ نے ہی بنفس نفیس انجام دیا۔ البتہ اس مرحلے کا اصل چیلنج بڑی حد تک یہی تھا کہ مسلم شخصیت کا چونکہ اس وقت کہیں وجود بلکہ تصور تک نہ تھا اسلئے زیادہ تر محنت اسی حقیقت کو جلی کرنے پر صرف کی جائے کہ 'یہ کیا ہے'...... تا آنکہ ایک بڑی محنت کے نتیجے میں، جو کہ صرف رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ ہی کر سکتے تھے، لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ اس 'مسلم شخصیت' کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ اس

کا مصدر و منبع کیا ہے اور اس کے وجود پانے کی صورت کیا۔ البتہ چونکہ اس حقیقت کو صرف ایک ہی دور اور ایک ہی نسل کے اندر وجود میں نہ لایا جانا تھا بلکہ یہ شخصیت باقی رہنے کیلئے وجود میں لائی گئی تھی اس لئے اس کی حقیقت کی تعریف اور توضیح مسلسل جاری رہی اور بعد کی نسلوں میں بھی اس عمل کی فرضیت برقرار رکھی گئی۔

مگر جلد ہی، حتی کہ صحابہ کے دور آخر میں ہی، ایک اور چیز کی ضرورت اپنے آپ کو منوانے لگی اور صحابہ نے اس کو بھی ہر ضرورت سے بڑھ کر ایک ضرورت جانا۔ پہلے اگر اس مسلم شخصیت کو عدم سے وجود میں لانے کیلئے اس بات پر شدید محنت مطلوب تھی کہ 'یہ کیا ہے' تو اب یہ واضح کرنے پر بھی شدید محنت کی ضرورت آ پڑی کہ 'یہ کیا نہیں ہے'۔ خوارج اور روافض ایسے 'اسلام نہیں' کے نمونے حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہو گئے تھے۔ قدریہ کی مذمت حضرت عبداللہ بن عمرؓ و دیگر صحابہ سے ثابت ہے۔ بعض بدعتی فرقوں کی مذمت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے مذکور ہے۔ یہ ابھی صحابہ کا دور تھا۔ پھر تابعین اور اتباع تابعین کے دور میں تو فتنوں کے ظہور میں آنے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بنیادی طور پر یہ انحرافات مسلم شخصیت کے 'کیا ہے' کو 'کیا نہیں ہے' سے بدل دینے یا کم از کم خلط کر دینے کی ایک کوشش تھی اور صحابہ و تابعین وائمہ تبع تابعین نے یہ کوشش ناکام کر دینے کو اپنی سرگرمی کا بہت بڑا محاذ بنایا اور نتیجۃً کارِ 'اہلسنت' کی صورت میں اس مسلم شخصیت کو باقی اور برقرار رکھنے میں کامیابی پائی۔

بہرحال تب سے اب تک اس اسلامی حقیقت یا اس مسلم شخصیت کی بابت 'کیا ہے' اور 'کیا نہیں ہے' میں بدستور ایک جنگ ہے۔ یہ ایک بہت ہی نازک اور حساس مہم تھی کہ محاذ اب ایک نہیں دو ہو گئے تھے۔ باہر کے دشمن اور اندر کے انحرافات۔ اس مہم میں توازن رکھنا اور ان دونوں آفتوں کے درمیان سے راستہ بنانا ایک خاص حکمت اور دانائی اور اخلاص اور ذمہ داری اور واقعیت پسندی کا متقاضی تھا اور خدا نے یہ سب کچھ ائمہ اہلسنت کو وافر نصیب کیا تھا۔

اسلام یا اسلامی حقیقت یا اس مسلم شخصیت کے 'کیا ہے' اور 'کیا نہیں ہے' کی اس کشمکش پر ہزاروں دور آئے۔ زمانے نے اس سلسلے میں بہت وقت دیکھے۔ امت کے اندر حق اور باطل کی اس اندرونی کشمکش میں بے شمار نشیب و فراز آئے اور گئے۔ البتہ مجموعی طور پر اور ایک بڑی سطح پر یہ مسلم شخصیت اپنی برتری کو بچا کر رہی۔ بلاشبہ اس بڑی سطح پر یہ بہت سے عوامل کے باعث زک بھی اٹھاتی رہی۔ جزوی طور پر اس کو پسپائی بھی کرنا پڑتی رہی اور آخری صدیوں میں اس کو پیچھے خاصا زیادہ بھی ہٹنا پڑا پھر بھی یہی عالم اسلام کی اصل روحِ رواں رہی۔

بے شمار عوامل کے زیر اثر جب اس مسلم شخصیت کی پسپائی مسلم معاشروں میں ایک خاص حد کو پہنچی تو پھر معاشروں پر اس کی گرفت نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ اب یہ بے روح معاشرے دشمن کی گرفت میں آنے کیلئے بڑی حد تک تیار تھے۔ یہ ایک پکا ہوا پھل تھا جو دشمن کی جھولی میں بس خود ہی آ گرا چاہتا تھا اور دشمن کو تھوڑی سی ہمت کر کے بس 'درخت' کو ہلانا تھا۔ اس 'بھٹکے ہوئے آہو' کو دشمن کے دام میں لایا جانا اب کچھ مشکل نہ رہا تھا۔

پھر جب دشمن چڑھ آیا شہر پناہوں کے دروازے کھل گئے اور اپنا تقریباً سب کچھ ہاتھ سے چلا گیا تو اس مسلم شخصیت کی پسپائی ان معاشروں سے اور معاشروں کے مختلف اداروں اور فورموں سے اور بھی ناقابل اندازہ حد تک بڑھی۔

انسانی معاشرے ایک متنفس مخلوق ہیں۔ ہوا صاف ہو یا آلودہ، سانس لینے والی مخلوق بہر حال سانس لے گی۔ آپ اس کو روک کر نہیں رکھ سکتے۔ آپ اس کو انتظار کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے۔ معاشروں میں پیدا ہونے والا خلا بہر حال کسی چیز سے پر ہوتا ہے۔ وہ چیز جو معاشروں میں پایا جانے والا خلا پر کر رہی ہو اگر باطل ہے تو یہ ایک بے انتہا پریشان کن بات ہے۔ آپ اگر اس کو حق سے پر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کے کام کی دشواری اب دو چند ہو جاتی ہے۔ ایک خالی جگہ میں جو چیز آ پڑی ہے اور آپ کو وہ قبول نہیں تو پہلے

اب آپ اس کو ہٹائیں گے۔ یعنی پہلے آپ کو ایک طرح کا خلا پیدا کرنا ہوگا اور پھر ساتھ ہی اس کو پر بھی کرنا ہوگا۔ نہ یہ خلا پیدا کئے بغیر کوئی چارہ ہے اور نہ پر کئے بغیر۔ یہ خلا آپ کو اپنی ہمت کے بقدر پیدا کرنا ہوگا تاکہ یہ ساتھ ساتھ پر ہوتا رہے ورنہ وہ کسی اور چیز سے پر ہوگا کیونکہ ___ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ___ معاشروں کے اندر کوئی خلا پڑا نہیں رہ سکتا۔ وہ کسی نہ کسی چیز سے ضرور پر ہوگا۔

بہت سے داعی دیکھے گئے ہیں جو افراد کو دعوت دیتے ہوئے ذہنوں کی دنیا میں......اور بہت سی تحریکیں معاشرے میں کام کرنے کے دوران معاشروں کی سرزمین پر ......باطل کی کسی صورت کے خاتمہ کی کوشش میں ایک ایسا خلا پیدا کر لیتی ہیں جس کو کوئی دوسرا باطل آ کر پُر کر دیتا ہے!

دوسری طرف بہت سے داعیوں اور بہت سی تحریکوں کی بابت یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک چیز کیلئے جگہ بنائے بغیر ہی اس کو کہیں ڈالنے اور فٹ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے!

بہر حال صحابہ اور قرون اولی کے دور میں اس مسلم شخصیت کی ایک ایسی صورت اور ایک ایسی جہت بن گئی تھی کہ صدیوں وہ مسلم معاشروں سے محو نہ ہو پائی۔ صدیوں معاملہ یہ رہا کہ اس شخصیت کو نکھارنے اور اجلا کرنے کی تھوڑی بہت کوشش بھی رنگ لے آتی رہی اور اس پر سے بدعات وانحرافات اور فسق وفجور اور بدعملی کی گرد وقفے وقفے سے جھاڑتے رہنے سے بھی معاملہ کسی نہ کسی حد تک درست چلتا رہا۔ تا آنکہ آخری صدیوں میں آ کر جب یہ کوششیں بھی کم ہو گئیں تو اس کا معاملہ بہت زیادہ ناگفتہ بہ ہو گیا۔ پھر پچھلی دو تین صدیوں میں تو زمانہ قیامت کی چال چل گیا اور اب جو معاملہ ہے وہ پہلے سے بے انتہا مختلف ہے۔ پہلے اگر محض ایک جزوی تبدیلی کی ضرورت تھی تو اب ہرگز ایسا نہیں۔

اب ہرگز معاملہ ایسا نہیں کہ اب بھی آپ بس 'اعمال' کی دعوت دیں۔ لوگوں کو ان کے 'فرائض' بتانے سے ہی کام کا آغاز کریں۔ کچھ 'بدعات' کا رد کر لیں۔ لوگوں

میں 'عقیدے کی کچھ خرابیاں' دور کرلیں۔ بعض 'عملی سنتوں' کے احیاء کو ہی بس اپنا مطمع نظر بنالیں۔ ایک بڑے پیمانے پر مسلم نوجوانوں کے بس 'تبلیغ' اور 'دعوت' میں مصروف ہو جانے پر ہی، یا دشمن سے برسرِ پیکار ہو جانے پر ہی، اور یا حکومتوں کے 'نظام' بدلنے کی سعی میں لگ جانے پر ہی، تمام تر زور دے دیں۔ صورتحال اس وقت اس سے کہیں بنیادی کام کی متقاضی ہے۔

سب سے اہم کام اور سب سے زیادہ محنت اب اس مسلم شخصیت کو پورے طور پر برآمد کرنے پر ہی ہونی ہے۔ اس پر عمومی طور پر ہم کچھ بات کر چکے۔ ان سطور میں البتہ ہم اس عمل کی ایک خاص مشکل کا ذکر کر رہے ہیں......

'مسلمان' کی اس تاریخی شخصیت کو پھر سے سامنے لانے کیلئے ایک تو اب بالکل بنیاد سے اور قرون اولیٰ کے نقشے پر محنت ہوگی۔ دوسرا یہ کہ یہ محنت اب ایک نہیں دونوں محاذوں پر ہوگی۔ یعنی یہ اسلامی حقیقت یا اسلامی شخصیت 'کیا ہے' اور 'کیا نہیں ہے'، دونوں محاذوں پر بیک وقت دلجمعی سے اور بالکل بنیاد سے کام کرنا ہوگا۔ ان دونوں جہتوں سے ہی مسلم شخصیت پر صدیوں کا ملبہ پڑا ہے۔ پھر پچھلی دو صدیوں سے تو اس کو باقاعدہ دفن کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ ان دو صدیوں میں اس مسلم شخصیت کو مسخ کر دینے کی ہر گھناؤنی حرکت ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک تفاعل interaction کرنے والی شخصیت ہے اور ہرگز کوئی متحجر چیز نہیں۔ یعنی یہ ایک مفید اور منفعت بخش شخصیت ہے۔ بہت سے فوائد یہ دنیا کو دیتی بھی ہے اور دنیا سے لیتی بھی ہے۔ (الحکمة ضالة المؤمن حیثما وجدها فهو أحق بها)[1] البتہ کچھ بنیادی نقائص واقع ہو جانے کے باعث پچھلی دو صدیوں میں یہ دُنیا کو بہت کم دے سکی ہے مگر دُنیا سے اس کے لئے یا اس کے نام پر بہت کچھ لیا گیا ہے۔

(۱) ''دانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ وہ اس کو جہاں بھی ملے وہی اس پر سب سے زیادہ حق رکھتا ہے''۔ بطور حدیث یہ ضعیف سند سے مروی ہے (دیکھئے السلسلة الضعیفه: ۲۴:۶۷۷) البتہ دانائی کے ایک قول کے طور پر اہل علم کے ہاں ذکر ہوتا ہے۔

جبکہ یہ دنیا بھی اب وہ سادہ دنیا نہ رہی تھی بلکہ یہ وہ دُنیا تھی جس پر فساد اور انحراف کی ایسی ایسی صورتوں نے قبضہ جما رکھا تھا جن کی شاید تاریخ عالم میں مثال نہ مل سکے۔ چنانچہ پچھلے دو سو سال سے یہ تفاعل interaction بہت ہی غلط تناسب سے ہوتا رہا ہے۔ دیا سرے سے کچھ نہیں گیا، الا ما شاء اللہ، اور جو لیا گیا وہ بربادی کا سبب۔

لہٰذا اسلام یا اسلام کی مطلوبہ شخصیت 'کیا ہے' اور 'کیا نہیں ہے' کی بابت اب محض وہ روایتی موضوعات ہی نہیں چلیں گے جو کچھ صدیاں پیشتر تجدیدی مساعی کرنے والوں کے پیش نظر رہے ہیں۔ اب محض روایتی اور 'مذہبی' بدعات ہی زیر بحث نہیں آئیں گی بلکہ غیر روایتی اور 'غیر مذہبی' بدعات بھی عدسۂ تنقید سے گزاری جائیں گی۔ اب بیک وقت ہمیں پرانے موضوعات سے بھی واسطہ پڑے گا اور نئے موضوعات سے بھی۔ اب بیک وقت پرانے انحرافات کو بھی تبدیلی کی زد میں لایا جائے گا، کیونکہ انہی کی اس پر گرد پڑ پڑ کر نوبت یہاں تک آئی کہ 'مسلمان' کی اصل صورت دُنیا سے روپوش ہوئی اور ہمیں ان جدید حملہ آور فتنوں کے آگے یوں بے بس ہونا پڑا، جبکہ ان نئے انحرافات اور ضلالت کی ان نئی نئی صورتوں کو بھی ___ اس اندرونی کشمکش کے عمل میں ___ ختم کرنے کی سعی کی جائے گی۔

چنانچہ آپ کے سامنے اب پرانے فتنوں کا بھی ایک انبار پڑا ہے اور نئے فتنوں کے بھی ڈھیر لگے ہیں۔ ان دونوں کو ہٹا کر آپ کو اسلام کا اصل چہرہ برآمد کرنا ہے۔ پھر جب آپ اسلام کی حقیقت سے روشناس ہونے اور کرانے پر کام کریں گے تو وہاں پر بھی آپ کو صرف اسلامی حقیقت کا از سر نو اثبات ہی نہیں کرنا بلکہ اس پر سے انحرافات کی تہیں بھی کھرچ کھرچ کر اتارنی ہیں۔ اب یہ ایک چومکھی لڑائی ہے اور اس میں ان سب پہلوؤں سے پورا اترنا ضروری ہے۔ کسی ایک پہلو میں رہی ہوئی خامی باقی سب پہلوؤں کی صورت کو متاثر کرے گی۔ ان بنیادی معاملات میں کوئی شارٹ کٹ نہیں۔ ایسا کوئی بھی شارٹ کٹ اسلام کی حقیقت کے اور بھی زیادہ عرصے تک روپوش رہنے، اور یا پھر اگر وہ ظہور پذیر ہو بھی تو اسلام کے ناقص صورت میں برآمد ہونے، کی قیمت پر ہوگا۔

اس عمل میں، خصوصاً اندرونی انحرافات کو اس مسلم شخصیت کے چہرے سے ہٹا دینے کے معاملے میں، حکمت اور سمجھداری اور اخلاص کی ضرورت تو مسلّم ہے ہی مگر یہ عمل ایک حد تک بے رحم ہونے کا بھی متقاضی ہوگا جس کا مظاہرہ سب سے پہلے ہمیں صحابہ کے کردار میں امت کے اندرونی انحرافات اور بدعتی رویوں کے روبرو ملتا ہے۔ لہٰذا یہ عمل ایک بے انتہا موثر اور سنجیدہ حکمت عملی کا ضرورت مند ہوگا۔

ایک بڑی سطح پر 'مسلم صورت' کی اصالت originality برقرار رکھنے میں ہم سے جو صدیوں کی تقصیر ہوئی، درست ہے کہ وہ دنوں میں دور ہو جانے والی نہیں۔ مگر یہ مضحکہ خیز بات ہوگی کہ اس کو اب ایک وقت طلب اور محنت طلب کام ہونے کی بنا پر 'غیر ضروری' قرار دیا جائے اور اس کے بغیر 'گزارا' کرنے کی سوچی جائے! درست طرز تفکیر یہی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس کام کے کرنے میں ہم سے پہلے ہی بہت تاخیر ہو چکی لہٰذا اس پر اب مزید کوئی تاخیر نہ کی جائے۔ یوں بھی دلجمعی سے کام کیا جائے تو ایک مختصر مدت میں یہ لیٹ نکالی بھی جا سکتی ہے، جس کا اصل انحصار اس بات پر ہوگا کہ اس کام کو کس قسم کے اور کس پائے کے لوگ ملتے ہیں اور اس کو اپنی سرگرمی میں وہ وزن کتنا دیتے ہیں۔

یہ بھی درست ہے کہ یہ مہم جب تک کامیابی کی ایک خاص سطح تک نہیں پہنچتی تب تک امت کی دوسری روزمرہ ضروریات کو یکسر نظر انداز اور پس پشت نہیں ڈال دیا جائے گا بلکہ ان کی فراہمی اور دستیابی کیلئے بھی کوئی وقتی بندوبست برابر مطلوب ہوگا۔ معاملے کی اس جہت کو نظر انداز کر دینا اور اُمت میں بس ایک 'نظریاتی' اور 'تربیتی' محنت ہی کروانے پر زور دینا یقیناً بے جا مثالیت پسندی کے زمرے میں آئے گا، جس کے ہم مؤید نہیں۔ کچھ حضرات اگر کسی ایسے خیالی اور مثالی منہج کے قائل ہیں اور اسی کو 'اصول پسندی' اور 'عقیدہ' کا تقاضا قرار دیتے ہیں تو ہم بہرحال اس منہج کی وکالت پر اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے، گو اس کے وجوہ کے ذکر کا یہ مقام نہیں......

اس کے باوجود اس بات کا ادراک ضروری ہے کہ اس بنیادی کام کے معاشرے میں کم از کم حد تک تکمیل کو پہنچے بغیر یہاں کے مسائل کا جو حل کیا جائے گا، اور کیا جانا چاہیے، وہ ایک بہت ہی وقتی اور جزوی اور حاشیائی کام ہوگا اور اس کو اسی حیثیت میں لیا جانا ضروری ہوگا۔ جبکہ افضلیت اور اصل توجہ اسی کام کو حاصل ہوگی، اور ہونی چاہیے، جو دُنیا کو عملاً اس 'مسلمان' سے متعارف کرائے اور وحی کی نصوص سے اس 'مسلم شخصیت' کو برآمد کرے جس کا ذکر دُنیا زیادہ تر تاریخ میں پڑھتی ہے۔

یہ ایک بے انتہا زبردست اور امید افزا کام ہے۔ مگر اس کی بہرحال ایک قیمت ہے۔ قیمت دینے کی کڑواہٹ سہے بغیر یہ بھاری چٹان جو ہم پر صدیوں کی پسپائی سے مسلط ہوگئی ہے ہلنے والی نہیں۔

ہمارے یہاں آپ ایسے طبقوں کو دیکھیں گے جو امت کے اندر کچھ ایسی گمراہیوں اور ایسے بدعتی رجحانات کے خلاف بات کرنے کو، جن پر کچھ صدیاں بیت گئی ہیں، گڑے مردے اکھاڑنے کے مترادف قرار دیں گے! ان کا خیال ہے سب پرانے 'اختلافات' پر، خواہ وہ دین کے بنیادی امور کی بابت کیوں نہ ہوں، بس مٹی ڈال دی جائے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس مٹی ڈالنے نے ہی تو ہمیں یہ دن دکھائے کہ حق پرست مسلم شخصیت دُنیا سے روپوش ہوئی اور یوں رفتہ رفتہ ہم اغیار کیلئے لقمۂ تر ہوئے۔ اس پر مزید مٹی ڈالنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کی صورت اور بھی دُنیا سے اور ان معاشروں سے چھپی رہے۔ اسلام کی اصل صورت کو اجلا کئے بغیر اور اسلام کی اس اصل صورت کو ہی اپنی صورت بنائے بغیر آپ تاریخ میں آخر کونسی تبدیلی لانے چلے ہیں؟

جیسا ہم نے کہا، صحابہ کے آخری دور سے ہی 'اسلام' کیا نہیں ہے' کے محاذ پر محنت شروع ہوگئی تھی۔ صحابہ میں اس معاملہ کے اندر بے پناہ حد تک سنجیدگی، صراحت اور حتی کہ 'بے لحاظی' دیکھی گئی۔ بدعتی رجحانات کے آڑے آنے کیلئے جس شدت اور سختی کی ضرورت تھی، اس کا، خدا سے ڈرتے ہوئے، صاف صاف مظاہرہ ہوا۔ آپ کو ہرگز اب اپنی محنت

صرف اس ایک بات پر مرکوز نہیں کرنی کہ 'اسلام کیا ہے'۔ گو اس پر محنت کرتے ہوئے بھی بہت کم لوگوں کو دیکھا گیا۔ بے شمار تاریخی عوامل نے اسلام کی اس صورت کو اس قدر بگاڑا ہے کہ آپ کو 'اسلام کیا نہیں ہے' کے محاذ پر بھی پوری بے پروائی سے جان کھپانا ہوگی۔

دوسری طرف آپ ایسے دینی طبقوں کو پائیں گے جو صرف پرانی بدعات اور پرانے انحرافات اور شرک کی پرانی صورتوں کو ہی اپنا موضوع بحث بناتے ہیں اور مسلم شخصیت کے اندر آنے والے نئے انحرافات کے خلاف محنت تو درکنار ان کا ادراک تک نہیں رکھتے۔ مسلم شخصیت کو جدید عصری رجحانات نے جس انداز سے مسخ کیا ہے اس کا علاج تو کیا اس کی تشخیص تک نہیں ہوتی اور بہت سے جدید معاشرتی رجحانات کو دین کے حوالے سے دیکھنے اور پرکھنے پر یہ آدمی کو تعجب سے دیکھتے ہیں!

صورتحال ان دونوں رجحانات سے بہت مختلف اندازِ فکر اپنانے کا تقاضا کر رہی ہے......

پرانی جاہلیت جو کہ حقیقتِ اسلام کو مسخ کر دینے کیلئے عالم اسلام کے اندر کوشاں رہی اور پھر یہ نئی جاہلیت جو اسلامی حقائق کو مسخ کر دینے کیلئے اس وقت حملہ آور دیکھی جا رہی ہے...... ان سے صاف صاف اور سیدھی سیدھی مڈبھیڑ ہوگی۔ ماقبل استعمار گمراہیاں اور بعد از استعمار بدعات......سب سے ٹھنے گی۔

☆☆☆☆☆

تصفیہ اور تربیہ

قل اللّٰہ أعبد مخلصاً له دینی......

دین کو اللہ کیلئے خالص کرنا دو پہلوؤں سے ہوگا:

ایک یہ کہ نفس کو اللہ کیلئے خالص کرنا۔ ہر دوسرے مقصود سے تجرد حاصل کرنا۔ اس دل میں خدا کے سوا کوئی اور مطلوب نہ رہنے دینا اور کردار میں اسی بات کی جھلک لے آنا۔ نفس میں خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کو، ممکنہ حد تک، کوٹ کوٹ کر بھر دینا اور اس نفس کو اس کے شر سے اور شیطان کے حظ سے، ممکنہ طور پر، پاک کرنا۔ دینی حقائق کو اس میں گہرا اتارنا اور دینی فرائض کی انجام دہی پر اس کو مامور رکھنا اور خدا کی خوشنودی کیلئے اس کو سرگرم کرنا۔ دوسرے لفظوں میں 'ایمان' پر محنت کرنا۔ اس بات کو تزکیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کیلئے تربیت کا لفظ بھی بولا جاتا ہے "مخلصین له الدین" ایک قرآنی تعبیر ہے۔ جس کا مطلب عبادت کے سب افعال اور بندگی کے سب حرکات وسکنات کو خدا کیلئے خاص کر دینا اور اس کو غیر اللہ کی عبادت اور بندگی اور پرستش سے پھیر دینا اور انسانی نشاط کا رخ بس ایک اللہ وحدہ لاشریک کی طرف کر دینا اور خدا کے احکامات پر نہایت عاجزی اور فرمانبرداری اور ذمہ داری سے عملدرآمد کرنے پر اپنا پورا زور صرف کر دینا...... اور اس انداز سے خدا کا وفادار بن رہنا ہے۔

اخلاصِ دین کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ خود ان حقائق کو جو "دین" کہلائیں اور ان فرائض کو جو "دین" سمجھے جائیں اور ان جملہ امور کو جنہیں "دینِ اسلام" کہا جائے، خالص

رکھنا اور ہر قسم کی آلائش اور خلط سے پاک رکھنا۔ خدا کی بندگی دراصل صرف ان بنیادوں پر اور صرف اس طریقے سے اور صرف انہی امور کے ذریعے ہو سکتی ہے جو خود اس نے اپنی شریعت میں مقرر ٹھہرا دیے ہوں اور جو اس نے اپنی نبیؐ پر وحی کے ذریعے نازل فرما دیے ہوں اور جن کی نبی ﷺ نے صحابہ کو تعلیم دی ہو اور جن کو صحابہ نے ''اللہ کے دین'' کی حیثیت میں بعد کی نسلوں کو منتقل کیا ہو۔ کچھ تاریخی عوامل کے باعث اب دین کے ان حقائق یا ان فرائض یا دین کے ان امور میں جو تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہے اور اس طریقے سے دین کے 'مواد' میں جو کمیاں بیشیاں ہوتی رہیں اور اس میں اس وجہ سے جو ناخالص عناصر پائے گئے انکو اصل دین سے الگ کرنا، کھرے کو کھوٹے سے علیحدہ کرنا، بدعات اور انحرافات کو دور کرنا اور یوں اسلام کا اصل چہرہ برآمد کرنا......تاکہ خدا کو صرف وہی چیز پیش کی جائے جو اس کی مرضی اور منشا کے موافق ہو اور تاکہ خلوص دل سے ہی سہی آدمی خدا کو کوئی ناخالص چیز پیش نہ کر بیٹھے...... یہ بھی دین کو اللہ کیلئے خالص کرنا ہے۔

چنانچہ دین کو اللہ کیلئے خالص کرنے کے یا یوں کہیے دین (عبادت اور بندگی) کو درست کرنے اور ایک شخص کو اسلام کا مطلوب فرد بنانے کے یہ دو محور ہیں جو اختصار کے ساتھ اوپر بیان کئے گئے۔ اول الذکر کیلئے عرب کے بعض تحریکی حلقوں میں ''التربیة'' کا لفظ رائج ہے اور ثانی الذکر کیلئے ''التصفیة'' کا۔ بنیادی طور پر یہ اصطلاح موجودہ دور کے ایک بہت بڑے عالم اور محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ کی ہے جو آج کے اس دور کیلئے اپنے تجویز کردہ تحریکی منہج کو دو لفظوں میں بیان کیا کرتے تھے:

''التصفیة و التربیة''

''التصفیة''......یعنی دین کے حقائق اور دین کے مندرجات اور دین کے 'مواد' کو صاف ستھرا کرنا اور باطل سے چھانٹ کر جدا کرنا۔ ''التربیة''......یعنی نفوس کو خالص کرنا اور انکو دین پر علی وجہ المطلوب عمل پیرا ہونے کے قابل بنانا۔ نفوس کو بندگی کی مشقت کا عادی بنانا اور اس پورے عمل سے خدا کو ان کا مطلوب و مقصود بنانا۔

شیخ البانیؒ کی یہ اصطلاح ''التصفیة والتربیة'' اب کئی تحریکی حلقوں میں معروف ہوگئی ہے۔ بنیادی طور پر اس دور کیلئے جس اسلامی منہج کو دعوتی اور تحریکی عمل میں اختیار کیا جانا ہے اس کی یہ ایک بہترین تلخیص ہے۔

مسلم ہستی کو ان معاشروں کا پھر سے ایک اہم ترین اور زندہ ترین واقعہ بنا دینے کیلئے یہ منہج ناگزیر ہے۔ اس سے مختصر تر راستہ ہماری نظر میں اور کوئی نہیں۔

☆☆☆☆☆

وہی

'پہلے پہل' والا مسلمان!

نہایت ضروری ہے کہ ہم اس بات کا ادراک کر لیں کہ جو چیلنج ہمیں اس وقت درپیش ہے۔یعنی مسلم شخصیت کی تعمیر اور تشکیل نو...... اس شخصیت کو وجود میں لانے اور اس کو بنانے میں ہمیں کس نقطے تک پہنچنا ہے۔ مثالی اور خیالاتی دنیا سے دور رہتے ہوئے بھی اور انسانی کمیوں اور کوتاہیوں کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے بھی اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے بھی...... بلکہ حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ہی...... اس مسلم شخصیت کو روپذیر کرانے میں ہمیں کم از کم کیا معیار رکھنا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کا کوئی بھی طالب علم ____ خواہ وہ مسلم ہو یا کافر ____ 'مسلمان' کے بارے میں ایک خاص تاثر رکھتا ہے۔ تاریخ کے کسی بھی مطالعہ نگار کو اپنے مطالعۂ تاریخ کے دوران کوئی ہزار سال سے زائد عرصہ تک 'مسلمان' سے واسطہ پڑا رہتا ہے......'مسلمان' جو اپنے عقیدے اور اپنی تہذیب کے ساتھ درجن بھر صدیوں تک دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں اور سب سے موثر واقعہ بنا رہتا ہے۔ یہ 'مسلمان' جو اتنا طویل عرصہ اپنے 'ایمان' کی بنیاد پر پورے جہان کا سامنا کئے رہتا ہے اور اپنے دین اور اپنی تہذیب کے ساتھ دنیا پر اثر انداز ہوتا ہے...... اتنا طویل عرصہ یہ دنیا کے ساتھ کبھی حالت جنگ میں ہوتا ہے اور کسی وقت حالت صلح میں۔ البتہ دنیا سے برابر واسطہ رکھتا ہے اور دنیا کو

اس سے برابر واسطہ رہتا ہے۔ یہ دنیا کے ساتھ با قاعدہ تفاعل (interaction) کرنے والی شخصیت ہے۔ یہ بلاشبہ ایک منفرد ظاہرہ phenominon ہے۔ دنیا سے جو لینے کے قابل ہے اس کو یہ بلا مضائقہ لیتی ہے اور دنیا کو جو دینا اس کے شایان شان ہے یہ اسے باصرار دیتی ہے......

دس بارہ صدیوں تک یہ شخصیت صرف 'فتوحات' ہی نہیں کرتی بلکہ یہ ہر طرح کے حالات دیکھتی ہے۔ اس پر اس طویل عرصہ میں ہر طرح کے وقت آتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ اس پورا عرصہ اپنے دور کے انسان کو متاثر کرنے کیلئے بہت کچھ پاس رکھتی ہے اور قوموں کی قوموں کو نہایت خوبصورتی سے اپنے اندر ضم کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ مفتوحین کو ہی نہیں فاتحین کو بھی اپنے اندر جذب کر لیتی رہی ہے۔ یہ اس کی شخصیت کا عجیب ترین پہلو ہے۔ یہ ایک بے انتہا عجیب صلاحیت ہے اور اس کے سوا تاریخ میں کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ تاریخ کا طالب علم اس کی اس صلاحیت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ قومیں اپنے باپ دادا کی تاریخ چھوڑ کر اس کی ملت میں گم ہونا اپنے لئے فخر جانتی ہیں۔ سوا ہزار سال تک 'مسلمان' اپنے اوپر آنے والے تمام ہا مدو جذر کے باوجود کرۂ ارض کے بیشتر انسانوں کیلئے قابل رشک شخصیت بنی رہتی ہے اور دنیا کے سمجھدار اور باشعور انسان برابر اس سے مرعوب رہتے ہیں۔ تاریخ پڑھنے والا 'مسلمان' کے نام سے ایک ایسی ہی شخصیت سے واقف ہے!

تو کیا پھر ہم نے اس شخصیت کو اپنے دین سے دوبارہ برآمد کرنے کی صلاحیت پا لی ہے یا پھر ہماری اس بار کی جدوجہد اس سے پہلے ہی یا اس کے بغیر ہی شروع ہو گئی ہے؟؟؟ کیا تاریخ کا ملبہ ہٹا کر ہم نے اس شخصیت کو پھر سے منظر عام پر لے آنے کا انتظام کر لیا ہے! اس کو اس کے اصل منبع سے نکال لانے اور اس کے خدوخال واضح کرنے کی، آج اپنے دور میں اور اپنے دور کے شایان شان، کوشش کر لی گئی ہے!؟ جبکہ ہمارا دور بھی کوئی عام سا دور نہیں!؟ اپنے دور کی امامت دراصل ایسی ہی شخصیت کا منصب ہے،

اپنے 'اوسط فرد' کی تیاری کیا اس بات کو مدنظر رکھ کر کی جا رہی ہے؟ ہمارے دینی اور تحریکی حلقے اپنے 'اوسط فرد' کو جب آج کے معاشروں کی قیادت کیلئے، بلکہ پوری دنیا کی امامت کیلئے، ایک متبادل کے طور پر پیش کرتے ہیں تو کیا وہ ان حقائق کا ادراک رکھتے ہیں؟؟؟ 'ہمارے ساتھ ساتھ چلیں' کی صدا لگانے سے پہلے کیا وہ یہ جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے کس پائے کا فرد تیار کرنے کی صلاحیت پائی ہے اور کس قسم کا فرد ان کے اس دور کی ضرورت ہے؟ دنیا کی امامت ظاہر ہے آپ کا کوئی ایک یا چند شخص نہیں بلکہ آپ کا 'اوسط فرد' ہی کرے گا۔ کیا آپ کے دینی اور تحریکی حلقے اس حوالے سے اپنے 'اوسط فرد' کی علمی، فکری اور شعوری استعداد سے مطمئن ہیں؟ اور اگر کوئی حلقہ اس سوال کا جواب نفی میں پاتا ہے تو اس پر وہ کس درجہ کی بے چینی محسوس کرتا ہے؟ اور یہ جو کہ اصل بحران ہے اس پر قابو پانے کیلئے وہ کہاں تک بے تاب ہے؟

یہ بے چینی اور بے تابی پیدا ہونا ہی ہم سمجھتے ہیں کہ اصل گھاٹی ہے۔ اگر یہ ہو جائے اور اس پر اپنے لوگوں کی توجہ مرکوز ہو جائے تو اس مطلوبہ کام کا آغاز ہو جاتا ہے جس کی یہاں ضرورت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معاملہ ایک مطلوب سطح پر صرف اس کام کو شروع کرنے کا ہے۔ ہمارا دین جب اصل حالت میں ہمارے پاس موجود اور اپنے سلف کا ترکہ ہمارے پاس محفوظ ہے، اور ماشاء اللہ جذبۂ عمل کی بھی کیا کمی ہے، تو ہمیں اس موضوع پر کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟

یہ مسلم شخصیت جو پچھلی کوئی دو تین صدیوں سے ____ ایک بڑی سطح پر ____ تقریباً روپوش ہے، گو یہ افراد کی سطح پر بحمد اللہ کبھی دنیا سے روپوش نہیں ہو پائی...... ان شاء اللہ پھر ان معاشروں کی حقیقت بننے والی ہے اور اس کو لامحالہ لوٹنا ہے۔ اس میں جس قدر دلچسپی لی جائے گی یہ عمل اسی قدر بہتری کے ساتھ اور اسی قدر پختگی اور اسی قدر خوبصورتی کے ساتھ انجام پائے گا۔ البتہ یہ توجہ اور دلچسپی اگر ایک خاص سطح سے نیچے رہتی ہے تو یہ کام موخر ہی نہیں ناپختہ بھی رہ سکتا ہے۔ ایک نسبتاً ناپختہ عمل بہت سے دیگر عوامل کے کارن اگر

سرے لگ بھی جائے تو اس کی یہ کامیابی اس کے دوررس اور دیرپا نہ ہونے کی قیمت پر ہوتی ہے۔ نتیجتاً بگاڑ کے بہت چھوٹے چھوٹے عوامل بھی بہت مختصر مدت میں اس پر اثرانداز ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس کی اٹھان میں اگر پختہ بنیادیں پڑی ہوں تو بگاڑ کے بعض زوردار عوامل بھی بسا اوقات منہ کی کھاتے ہیں۔ نتیجتاً اس کی جہت بھی صحیح رہتی ہے اس کا رخ بھی پٹڑی سے نہیں سرکتا۔ دشمن کو بھی اسے خراب کرنے کا موقعہ کم ملتا ہے اور وہ عمل طویل تر عرصے کیلئے اپنے مقاصد پورے کرتا ہے۔

یہ مسلم شخصیت آج کے دور کے اس منفرد انسانی ذہن اور انسانی واقع پر اثر انداز ہونے کیلئے جب بھی ان معاشروں میں قدم رکھے گی تو تاریخ کا ایک طالب علم ضرور یہ جاننے میں دلچسپی رکھے گا کہ کیا یہ وہی شخصیت ہے جس سے وہ اپنے مطالعۂ تاریخ کے دوران واقف ہوآیا ہے یا یہ کوئی اور شخصیت ہے...... خصوصاً جبکہ اس شخصیت کو اس بڑی سطح پر ایک اچھے خاصے انقطاع کے بعد از سر نو نمودار ہونا ہے۔ ایسے موقعہ پر دیکھنے والوں کا تجسس بڑھ جانا ایک طبعی واقعہ ہوگا......!!!

دیکھنے والوں کو ضرور اس بات سے دلچسپی ہوگی کہ کیا یہ وہی ہمہ گیر اور متوازن اور مؤثر اور بھاری شخصیت ہے اور کیا یہ اسی طرح حقائقِ وحی کی پیدا کردہ شخصیت ہے جس کا کوئی توڑ اس دنیا کے پاس نہیں تھا اور جو کہ پہلے پہل کتاب اللہ کی نصوص سے ہی برآمد ہوئی تھی یا یہ صرف حالات کی جگائی ہوئی یا محض دشمنوں کی ستائی ہوئی شخصیت ہے جو ایک ردعمل کے طور پر وجود میں آئی ہے؟

دین کے حقائق سے جنم پائی ہوئی شخصیت......؟ یا پھر حالات کی پیدا کی ہوئی شخصیت......؟ حقیقت یہ ہے کہ ان دو باتوں میں اتنا بڑا فرق ہے کہ ہم میں سے بیشتر کے اندازے سے بھی شاید باہر ہو۔

مسلم شخصیت کا یہ ایک بڑا وصف ہے جسے کبھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہ ہونا چاہئے۔ حالات کا ستم کبھی آسمان تک بھی پہنچ جائے اس 'مسلم شخصیت' کا خاصہ یہ ہے کہ

یہ ہمیشہ 'عمل' ہی ہوتی ہے اور کبھی 'ردعمل' نہیں ہوتی۔ 'ردعمل' بنیادی طور پر ایک کمزوری ہے جو اپنے وجود کیلئے اپنے آپ کو دوسروں پر انحصار کرواتی ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ وہ اپنی جہت متعین کرنے کے معاملہ میں بھی خارجی اثرات کی تشکیل کردہ ہوتی یا ہوسکتی ہے۔ 'مسلم شخصیت' جو کہ کائنات کے عظیم اور برگزیدہ ترین حقائق کا پیدا کردہ واقعہ ہے مجسم عمل ہوتا ہے نہ کہ ردعمل۔ یہ اس کا اعزاز بھی ہے اور اس کا وصف لازم بھی اور اس کی پہچان بھی اور اس کا مرتبہ ومقام بھی!!!

☆☆☆☆☆

صلی اللہ علی النبی و آلہ،

والحمد للہ رب العالمین.

شجرِ سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

مطبوعاتِ ایقاظ

روزِ غضب زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت	ڈاکٹر سفر الحوالی
رو بہ زوال امریکن ایمپائر عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پسِ منظر میں	حامد کمال الدین
مسجدِ اقصیٰ، ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا مسئلہ (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
مسلم ہستی کا احیاء	حامد کمال الدین
دعوت کا منہج کیا ہو؟	محمد قطب
ایمان کا سبق	حامد کمال الدین
شروط لا الہ الا اللہ	حامد کمال الدین
نواقضِ اسلام	حامد کمال الدین
توحید کے تین اساسی محور	حامد کمال الدین
موحد تحریک	حامد کمال الدین
آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟	حامد کمال الدین
اہل کتاب سے برائت	ڈاکٹر سفر الحوالی
صیام اور بندگی کے معانی (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
یہ گرد نہیں بیٹھے گی!	حامد کمال الدین
یہ وہی انگریزی نظام ہے، مگر اب یہ 'اسلامی' بھی ہے!	حامد کمال الدین

کتب خانوں، یا ہم سے بذریعہ وی پی، طلب فرمائیے، انٹرنٹ پر بھی دستیاب www.eeqaz.com, www.eeqaz.org

ایقاظ کے مضامین پھیلایئے، البتہ

فوٹو سٹیٹ کرانے کی ضرورت نہیں!

ہم اپنے اُن قارئین کے ممنون ہیں جنھوں نے ایقاظ کے بعض گزشتہ مضامین یہاں کے فکری حلقوں تک زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں دلچسپی ظاہر فرمائی ہے۔

اِس بات کے پیش نظر کہ مضامین کو فوٹو سٹیٹ کر کے تقسیم کرنا مہنگا پڑتا ہے،
ادارہ ایقاظ اپنے اِن قارئین کیلئے یہ سہولت پیش کرتا ہے کہ:

تقسیمِ عام کیلئے آپ ایقاظ کے حالیہ یا گزشتہ کسی بھی شمارہ میں شائع شدہ کوئی بھی مضمون الگ سے طلب فرما سکتے ہیں۔

آپ کا کوئی بھی طلب کردہ مضمون ادارہ ایقاظ آپ کو 25 پیسے فی صفحہ کے حساب سے ارسال کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مضمون 40 صفحے کا ہے تو وہ آپ کو 10 روپے میں پڑے گا۔ ڈاک خرچ بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔ البتہ چونکہ یہ سہولت تقسیم عام کیلئے پیش کی جارہی ہے لہٰذا کسی بھی مضمون کی ایک صد کاپی طلب کرنا ضروری ہوگا۔

Ph: **0323-403-1624** matbooateeqaz@gmail.com

شجرِ سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

سہ ماہی ایقاظ

خصوصاً اِن موضوعات کے مطالعہ کیلئے:

☆ ایمان، عقیدہ، فکر، منہج، تربیت...... جو کہ بصیرت کی اساس ہیں

☆ ولاء اور براء...... جو کہ مسلم شخصیت کی پہچان ہیں......

☆ امتِ اسلام میں اخوت اور وحدت کے پنپنے اور انسانوں کے گرد کھڑی کر دی گئی سب سرحدوں کو بے وقعت کر دینے کی دعوت، سوائے اُن 'حدوں' کے جو معبود کے تعین اور طرزِ حیات کے چناؤ سے وجود میں آتی ہیں

☆ تحریک، سماجی تبدیلی، تہذیبی پیش رفت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، دعوت، تعلیم،...... باطل، شرک، ابتداع، فسق اور انحراف کے جملہ مظاہر کی تردید و مخاصمت، جاہلیت سے دو بدوئی...... جو کہ جہاد کے کچھ اہم ابواب ہیں

☆ انسانی رشتوں کا پاس، محروم، نادار، پسے ہوئے طبقے کی خیر خواہی اور اعلیٰ قدروں کی ترویج...... جو کہ مکارمِ اخلاق کے کچھ اہم مندرجات ہیں

- ایقاظ ایک منبر ہے اُس مبارک مشن میں تحریری شمولیت کیلئے جس کا مقصد آج کے اسلامی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں کو عقیدہ کے ایک اصیل متوازن منہج سے آراستہ اور ایک ٹھوس فکری اہلیت سے لیس کر دینا ہے اور اہلسنت گروہوں سے وابستہ تحریکی و جہادی و سماجی عمل کو فکری و ثقافتی پہلوؤں سے مضبوط کر دینا

- ایقاظ ایک کاوش ہے جذبہ کو بصیرت میں مدغم کر دینے اور عمل کو علم سے برآمد کرنے کا منہج سامنے لانے کی

- ایقاظ ایک صدا ہے یہاں کے علمی و دعوتی حلقوں میں اس فقہِ اختلاف اور فقہِ ائتلاف کو زندہ و بحال کرنے کی جو کہ اہلسنت کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کی قوت کا تاریخی راز ہے، اور جس کے عام ہو جانے سے حق کی قوتیں اپنے آپس کے وہمی معرکے ختم کر کے ایک نئے سرے سے متحد و صف آرا ہوں گی اور اتحاد و یکجہتی کے وقتی و سطحی و غیر طبعی مظاہر سے نجات پائیں گی۔

336 D سبزہ زار، لاہور 0323-4031624

www.eeqaz.com